رنج و راحت

یعنی

جمیلہ کی کہانی

مصنفہ

آفتاب عمر صاحب بی اے (علیگ)

باہتمام فخر الدین احمد منیجر

نامی پریس لکھنؤ میں چھپی

محلہ حقیقت لکھنؤ | بار دوم دسمبر ۱۹۳۳ء | قیمت عہ

رنج و راحت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اول

انسانی زندگی کی ضخیم کتاب کیا ہے؟ ایک مجموعہ ہے ناپائدار خوشیوں اور غموں کا جو افسوس! زمانہ دراز تک لوح دل سے محو نہیں ہوتے اس کتاب کے اگر ایک صفحہ پر ہماری خوشیوں کی مختصر فہرست ہو تو دوسری طرف جانکاہ غمونکی طویل تفصیل سے رنگین ہو۔

بلقیس بیگم کے دل میں یہی خیالات موج زن تھے۔ یہ خیالات جنہوں نے بچاری کی زندگی تلخ کر دی تھی۔ حزن و ملال کی بحر مواج نے غریب کے سینے میں ایک تلاطم سا پیدا کر دیا تھا۔ نوجوان بیگم کسی طرح تقدیر کے اس زبردست فولادی پنجے سے [illegible]

اللہ اللہ قسمت کے اس پھیر کی کسے خبر تھی۔ کون جانتا تھا کہ بلقیس بیگم
جسکی شادی کو ابھی پورے پورے چھ مہینے بھی نہ گذرے تھے۔ جس کے بیسیوں عزیز
دربار دہلی میں ممتاز تھے۔ اور جو بڑے بڑے رئیسوں کو دھیان میں نہ لاتے
تھے۔ بلقیس جسکو بیداری بخت سے ایسا شوہر ملا تھا جو مردانہ حسن میں بے نظیر
اور اپنی بیوی پر جان و دل سے نثار تھا۔ اور جسکی محبت اور نیک مزاجی نے
صرف چند ماہ میں بلقیس کے دل میں گھر کر لیا تھا۔ اور یہ قدرتی بات ہے کہ
محبت اور عنایت سے وحشی تک رام ہو جاتے ہیں۔ پھر بلقیس جیسی خاتون
پر شوہر کی محبت کا اثر ہونا کیا معنے۔ بلقیس صرف صورت ہی کی نہ تھی بلکہ فرشتہ
صفات بھی۔ اور حسن کے ساتھ اگر سیرت اچھی نہ ہو۔ تو حسن ہزاروں خرابیوں
کا باعث ہو جاتا ہے۔ بدمزاج [illegible] عورت سے کون محبت کر سکتا ہے۔ مگر خیر
تو بلقیس سے بدمزاجی کوسوں دور تھی۔ اپنے ماں باپ کے گھر جب تک رہیں ایسی
سچی ہمدردی اور اطاعت میں زندگی بسر کی کہ ماں باپ [illegible] سے زیادہ
بلقیس سے محبت کرتے تھے۔ اور ماں باپ پر کیا منحصر ہے غیر تک اسکے
مداح تھے۔ ظاہر ہے [illegible] رشک کرتی [illegible] اوصاف
ہر چھوٹے بڑے کے دل پر نقش تھے۔ شادی کی [illegible]
[illegible]

شادی کے وقت ماں باپ کو پورا اطمینان تھا کہ لڑکی کی آئندہ زندگی بھی
خوشی اور اطمینان میں بسر ہوگی خود بلقیس کو اس وقت ایک خوشی [illegible]
[illegible] شوہر [illegible] شادی کی خوشی میں [illegible] ممتاز [illegible]

جسکی شجاعت اور مردانگی کے مختلف کارنامے شادی سے قبل ہی بلقیس کے
کانون تک پہنچ چکے تھے - شادی ہوئی چھ مہینے ایسی خوشی اور اطمینان
مین کٹے گویا چھ گھنٹے تھے - خوشی کی گھڑیان کس قدر جلد کٹ جاتی ہین!!
مگر فلک کج رفتار کو کسی کا عیش کب گوارا ہے - ادھر بلقیس تھی اور اس
کے شوہر سلیمان کا محبت بھرا دل ادھر تقدیر تھی اور اس کی گردشین -
ذرا دیر مین قسمت نے کروٹ بدلی اور اچانک بلقیس پر مصیبتون کا پہاڑ
ٹوٹ پڑا - عیش رہا نہ شوہر باپ رہا نہ بھائی -

۱۸۵۷ء کے غدر سے کون واقف نہین - کون نہین جانتا کہ اس
پُر آشوب زمانے مین ہزارون خاندان تباہ ہو گئے - ہزارون گھرانے
اجڑ گئے - سیکڑون بیبیان [illegible] اور ویرانے سے بدتر ہو گئین ہزارون
بچے یتیم اور سیکڑون [illegible] ہو گئین - اس عالمگیر [illegible]
ہر طبقہ پر پڑا - [illegible] اس خوفناک شورش سے شکار ہوئے
غریبون کا تو کیا ذکر جنکو معمولی سی مصیبت ہمیشہ کیلیے تباہ کر ڈالتی ہے بڑے
بڑے امیر [illegible] تجارت کیا ایک آگ تھی جو اچانک بھڑک گئی اور جسکے
[illegible] شعلے آناً فاناً اطراف ہندوستان مین پھیل پڑے - [illegible]
[illegible] کسی چیز کا بچنا معلوم - مگر یہ فلک تماشا [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

مچا دی جب انگریزدں پہ بس نہ چلا تو لگے غریب رعایا کو تباہ کرنے۔ فوج کی دست درازی اور پھر وہ بھی بگڑی ہوئی فوج کی معمولی بات تو ہے نہیں کوئی ایسی بے عنوانی اور بے اعتدالی نہ تھی جو اس بہائم صفت گروہ نے اٹھا رکھی ہو۔

نوجوان افسر سلیمان کا مکان شہر میرٹھ میں واقع تھا۔ مکان کیا ایک پورا قلعہ تھا جو دو صدیوں تک زمانے کی گردشوں اور موسم کی دست اندازیوں کا مقابلہ کرتا رہا تھا۔ سلیمان کے مورث اعلیٰ نفاست پسند لوگ تھے اور ان کے مذاق سلیم کی اس مکان جنت نشان کی اینٹ اینٹ داد دیتی تھی۔ اس مکان کے کشادہ دالان اور وسیع شہ نشین بنانے والوں کی فراخ حوصلگی کی زبان حال سے گواہی دیتے تھے۔ کمروں کی چھتیں ہمت کیطرح بلند اور سنگی ستون ارادے کی طرح مضبوط۔ پائیں باغ کی خوشنمائی زبان قلم سے بیان نہیں ہو سکتی۔ مختلف قسم کے پھولوں کی خوشبو سے تمام باغ مہکتا تھا۔ کیاریوں کی تقسیم اور روشوں کی ستھرائی نے صحن باغ کی خوبصورتی دوبالا کر دی تھی۔ سرو کے درخت صدر راستے کے دونوں طرف باادب خدام کی طرح خاموش کھڑے تھے۔ گھاس کیا مخملی فرش تھا کہ جا بجا باغ میں بچھا ہوا تھا۔ وسط باغ میں ایک مختصر مگر خوشنما حوض موتی کی طرح پُر آب تھا۔ رنگ برنگ کی چھوٹی چھوٹی مچھلیاں حوض میں دوڑ دوڑ کر دامن نگاہ پکڑتی تھیں۔ آفتاب کی ہفت رنگی شعاعیں زمردیں درختوں سے چھن چھن کر پانی کی بلائیں لیکر ٹھنڈی ہو جاتی تھیں۔ یہ ہوا دھوپ چھاؤں

بے رونق تصویر اس مکان اور اس باغ کی جسمیں بلقیس نے چھ مہینے ایسی سچی خوشی اور اطمینان میں بسر کیے تھے کہ جس کے محض تصور سے بلقیس کی موجودہ حالت اور مصیبت اور زیادہ خطرناک ہو گئی تھی۔

بلقیس معہ اپنی ساس کے جو خود اس کی طرح خاموش سر جھکائے ہوئے رتھ میں سوار تھی اس وقت میرٹھ سے قریب ۱۵ یا ۱۶ کوس کے فاصلے پر تھی رات بھر کے سفر نے دونوں کو مضمحل کر دیا تھا۔ اور پھر کیسا سفر؟ جب باغیوں کے ناخدا ترس ہاتھوں نے نواب علی حسین سلیمان کے والد کو ذبح کر ڈالا۔ اور ان کے وحشیانہ غصے کی آگ نے مکان کو چاروں طرف سے گھیر لیا اس وقت بلقیس اور اس کی ساس ثریا بیگم پر بڑا سخت وقت تھا۔ زندگی کی امید تک منقطع ہو گئی تھی مگر سچ ہے جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔ اس وقت نواب علی حسین کے نمک نے زور کیا اور ایک قدیم نمک خوار جمشید نامی کو ان بے چاریوں کی مدد پر کمربستہ کیا۔ جمشید نواب مرحوم کا معتمد خاص تھا اور چونکہ بچپن سے نواب کے ساتھ رہا تھا گھر کے سب خورد و کلاں اس کا بہت لحاظ کرتے تھے۔ اور یہ بھی ایک ایک آدمی پر جان دیتا تھا۔ جب باغیوں نے مکان کی طرف دست ظلم دراز کیے تو دوسرے جتنے ملازم تھے سب یک لخت غائب ہو گئے اور حقیقت میں ایسے بہت ہی کم ہیں جو دوسروں کی مصیبت میں کام آئیں۔ جمشید ہی کا کام تھا کہ ایسے برے وقت میں دو بے گناہ بے کس عورتوں کو راتوں رات اس بھیانک مقام سے نکال لے گیا۔ ایسی سراسیمگی کے

وقت اچھے اچھون کے ہواس غائب ہو جایا کرتے ہین مگر جمشید سوائے
خدا کے کسی سے نہ ڈرتا تھا - اُس کی نیکی طبیعت اور پاک باطنی نے
اُس کو اس سخت امتحان کے وقت بالکل ہراسان نہ ہونے دیا -

جمشید کی ایک ضعیف رشتہ دار میرٹھ سے ۲۰ - ۲۵ کوس کے فاصلے
پر جنگل مین رہا کرتی تھی اور اس ضعیف عورت کا شوہر جسکو مرے ہوئے
کچھ زمانہ گذر گیا تھا بڑا خدا رسیدہ اور درویش آدمی تھا - اور یہی سبب تھا
کہ زینب جسکو جمشید سے مثل بیٹون کے محبت تھی جنگل مین ایک مختصر مگر
خوش اسلوب مکان [illegible] رہتی تھی - زینب [illegible] اور ثریا بیگم سے
بخوبی واقف تھی اور [illegible] ثریا بیگم وغیرہ سے مل چکی تھی
جمشید نے اسکے گھر کو گوشہ عافیت سمجھکر ان دونون کو اس مصیبت کے
وقت یہان آنے پر آمادہ کیا جمشید کی خیر خواہی اور وفاداری [illegible]
ثابت ہو چکی تھی اور [illegible] نے بلا پس و پیش جمشید کی
صلاح [illegible] آخر [illegible] گزشت کیا دنیا مین [illegible] کوئی [illegible]
[illegible] تھا [illegible] یہ اسوقت [illegible]
دور تھا -

[illegible] اور سورج کی [illegible]
[illegible] اور ثریا بیگم کو [illegible] رات
[illegible] سے ایسی پریشان اور [illegible]
[illegible] چاہتا تھا مگر اس وقت جنگل کا نظارہ

ایسا دلفریب تھا کہ [illegible] دونوں غمزدہ تھوڑی دیر کے لیے اپنا درد دکھ بھول گئیں۔ تھوڑی دیر میں زینب کا مکان درختوں میں سے جھلکنے لگا اور جمشید نے جو رتھ بان بنا ہوا تھا کہا۔

جمشید "سرکار دیکھیے وہ دیکھیے دائیں ہاتھ ان کا مکان نظر آتا ہے۔ سڑک ذرا گھوم کر گئی ہے"

ثریا بیگم نے [illegible] "لاکھ لاکھ شکر ہے کہ منزل مقصود نظر آئی مگر یہ تو بتاؤ کہ اگر زینب وہاں نہ ملی تو کیا ہوگا"

جمشید "نہیں سرکار وہ ہمیشہ گھر ہی پر رہتی ہیں۔ اور انکا تو کوئی عزیز [illegible] بھی نہیں۔ پھر کہاں جا سکتی ہیں"

ثریا بیگم "سچ ہے مگر آج کل زمانہ ہمارے [illegible] ہے۔ [illegible] ہائے رات کی واردات یاد آکر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

جمشید "حضور قسمت سے انسان لاچار ہے سوائے صبر کے اور کیا ہو سکتا ہے جبتک میرے دم میں دم ہے حضور کو تکلیف نہ ہونے [illegible] گو غریب [illegible] ہوں مگر احسان فراموش نہیں۔ اُن کے [illegible] مرحوم کے بہت احسان ہیں۔ آپ کی خدمت کرنا وہ اپنا فرض سمجھیں گے۔

ثریا بیگم کے دل پر اس وقت غم کا ہجوم تھا۔ رہ رہ کر اپنی بیکسی اور بدبختی پر رونا آتا تھا۔ شوہر کی [illegible] سے زیادہ اور کیا [illegible] عورت کے [illegible] ہو سکتا ہے اور کیسا شوہر جس [illegible]

درجے کی محبت میں بسر کیے ہوں ۔ تعجب تھا کہ ثریا بیگم جسکو شوہر کی ایک ساعت کی جدائی ناگوار تھی کس طرح اب تک زندہ تھی اگر ثریا بیگم معمولی عورت ہوتی یا مذہب اسلام کے عمدہ اصولوں سے ناواقف ہوتی تو ضرور جان پر کھیل جاتی مگر نہیں اُس کی غیور طبیعت نے اس کو صبر و شکر کی تلقین کی اور اُسکی حالت میں غیر معمولی تغیر پیدا کر دیا۔ جوان بہو کی بیکسی کا خیال اس کو اور زیادہ استقلال سے کام لینے پر آمادہ کرتا تھا۔ بار بار بلقیس کو تسلی و تشفی دیتی تھی اور اُس کا غم غلط کرنے کی کوشش سے ذرا دیر غافل نہ تھی۔ رتھ زینب کے مکان سے کچھ فاصلہ پر رک گئی اور جمشید کی آواز سنائی دی۔

جمشید "سرکار مکان آگیا اب رتھ آگے نہیں جا سکتا۔ پیدل چلنا ضروری ہے۔ مکان تھوڑی دور ہے۔ سرکار"

جمشید نے بیلوں کو کھول دیا ثریا بیگم اور بلقیس اُتر کر نیچے کھڑی ہو گئیں مگر جنگل کے سناٹے نے ان غریبوں کو پریشان کر دیا۔ جمشید آگے ہو لیا اور یہ بیچاریاں افتاں و خیزاں پیچھے پیچھے چلیں ایک ایک قدم اٹھانا دوبھر تھا۔ ان کو کبھی کاہے کو اس طرح چلنے کا اتفاق ہوا تھا۔ سچ ہے آرام اور آسایش کے بعد مصیبت اُٹھانا بڑا مشکل ہے۔ آرام اور راحت کا عادی ہو جانا ایسے امتحان کے وقت آٹھ آٹھ آنسو رلاتا ہے۔ بڑی مشکل سے یہ مہم سر ہوئی اور زینب اپنے مکان کے دروازے پر کھڑی دکھائی دی جو ایک کواڑ کے سہارے اس طرح کھڑی تھی کہ گویا کسی کی منتظر ہے۔ زینب کو

دیکھتے ہی ثریا بیگم اور بلقیس باغ باغ ہو گئیں۔ چہروں پر جو خوف اور تکان سے سفید تھے سرخی دوڑ گئی۔ اور قدم بھی زیادہ تیزی سے اٹھنے لگے۔ ادھر زینب نے جمشید کو دیکھا اور لپک کر آگے بڑھی۔ جمشید زینب کے قریب پہنچ گیا۔

زینب "ہیں بیٹا تم اس وقت کہاں۔ ارے اور یہ دو بیٹیاں کون ہیں؟"

جمشید "اماں کیا بتاؤں بڑی داستان ہے فرصت سے سننا سرکار بیگم اور بڑی دلھن باغیوں سے جان بچا کر تمہارے گھر پناہ لینے آئی ہیں"

زینب۔ "ارے بیٹا اور نواب صاحب کہاں ہیں؟"

جمشید "آبدیدہ ہو کر شہید ہو گئے۔ جب ہی تو ہم پر یہ مصیبت ہے"

زینب نے یہ سنکر بڑے تپاک سے بلقیس اور ثریا بیگم کا استقبال کیا۔ زینب کا دل ان غریبوں کی مصیبت پر بے اختیار بھر آیا۔ جہاں تک اس کی زبان نے یاری کی اس نے ان بیکسوں کو سمجھایا۔ اور اپنے مقدور بھر کوئی دقیقہ ان کی خاطر اور دلجوئی میں اٹھا نہ رکھا۔ زینب کو عمر بھر میں آج اپنی غربت کا خیال آیا۔ ایسے ہی موقعہ پر مفلس کو غربت کا خیال ستاتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ دوسروں کی مصیبت میں شریک ہو مگر افلاس مانع ہوتا ہے اور غریب کلیجہ مسوس کر رہ جاتا ہے۔ غریب آدمی نہ اپنی محبت ہی کا خاطر خواہ اظہار کر سکتا ہے اور نہ عداوت کا۔ مگر زینب کو خدا پر پورا پورا بھروسہ تھا اور اسنے دعا مانگی کہ اے میرے خدا۔ مجھے اپنی مصیبت زدہ محسنوں

[illegible]

ان کے زخمی دلوں پر مرہم لگانا کام ہے

دیکھیے! غریب زینب دل کی کیسی فیاض تھی کیسا سچا محبت بھرا دل اسکے
حصے میں آیا تھا۔ زینب کو کون غریب کہہ سکتا ہے؟ دل میں محبت کا
خزانہ اور افلاس کی شکایت۔ ہمدردی کا گنجینہ اور غربت کا رونا کج فہمی
کی دلیل ہے۔ یہ وہ دولت ہے جسکو زوال نہیں جو خرچ کرنے سے بڑھتی ہے اور
جمع کرنے سے زنگ آلود ہوتی ہے۔ دولت سے کہتے ہیں کہ دل میں خوشی پیدا
ہوتی ہے۔ آرام اور آسائش جو روپیہ پیسے سے حاصل ہوتا ہے سب اسی
غرض سے ہے کہ دل میں نشاط پیدا ہو اور [illegible] مصیبت میں دوسروں
کے کام آؤ۔ غمزدہ دلوں کو تسکین دیکر دیکھو، ٹوٹے ہوئے دلوں کو ہمدردی کے
مرہم سے راحت پہنچاؤ۔ تو معلوم ہوگا کہ حقیقی نشاط کیا ہے۔ دل میں ایک
نئی کیفیت ایک نئی روشنی محسوس ہوگی۔ دنیاوی دولت اسوقت
نظروں میں نہ سمائے گی۔ اس دولت کا بڑا حصہ غریبوں کو ملا ہے۔ دولتمندوں
میں اس دولت کا پتہ نہیں ملتا۔ سچی ہمدردی، بے غرضانہ محبت امیروں
میں ہونا ایسی عجیب ہے جیسی اندرائن کے پھلوں میں شیرینی۔ ظاہری چمک
دمک پر نہ جاؤ۔ دلوں پر نگاہ کرو۔ محبت اور حرص نفسانیت اور ایثار
ایک جگہ جمع نہیں ہوتے۔

زینب اور حمیدہ نے ملکر ان دونوں مہمانوں کی ایسی خاطر و مدارات
کی کہ چند ہی روز میں بلقیس اور ثریا بیگم کی حالتوں میں بہت بڑا تغیر

پیدا ہوگیا تھا۔ اگرچہ اسکا دل خود بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا اور وہ بھی غم سے چور تھی مگر مشیت
ایزدی میں صبر و شکر سے کام نہ لینا اور رونا پیٹنا خدا سے لڑائی باندھنا ہے۔
دوسرے زینب کی خاص محبت اور جمشید کی وفاداری بہت کچھ اسکے
غم زدہ دل کی تسکین کا باعث تھی۔ گو اس کے بہت سے عزیز باغیوں کے
دست ستم کے شکار ہوئے اور جن کے مرنے کی خبر اسکو جمشید کی زبانی معلوم
ہوچکی تھی مگر صرف ایک امید کے سہارے زندہ تھی۔ وہ کیا امید تھی؟
اس کا لاڈلا بیٹا سلیمان دنیا میں موجود تھا اور جو کبھی نہ کبھی دکھیاری
ماں سے ملے گا۔ امید بھی کیا چیز ہے۔ سچ ہے دنیا بہ امید قائم۔ یوں تو
ہر انسان کے دل میں ہزاروں امیدیں ہوتی ہیں۔ جن کو وہ آسودگی
اور خوشحالی میں مثل اور دوسرے انسانی جذبات کے سمجھتا ہے مگر امید
کی اصلی قوت اس کو مصیبت ہی کے وقت معلوم ہوتی ہے جب تمام
سہارے اٹھ جاتے ہیں۔ اور کوئی مونس و غمگسار باقی نہیں رہتا۔ اس
وقت امید ہی دستگیری کرتی ہے۔ واقعی اگر امید نہ ہو تو نظام عالم میں
فتور واقع ہو جائے۔ ذرا ذرا سی مصیبت میں انسان خودکشی کرلے۔
صرف دنیاوی امور میں ہی امید مصیبت زدوں کی مدد نہیں کرتی بلکہ
مذہبی عقائد میں بھی امید کو بہت کچھ دخل ہے۔ اگر موت کے بعد جنت
اور اس کی نعمتوں کی امید نہ ہوتی تو کوئی بھول کر بھی سجدہ نہ کرتا۔ دنیا
میں مذہب صرف امید کے سہارے زندہ ہے۔ تمام مذاہب یکساں طور پر
جنت کی امید میں مست ہیں۔ غرضیکہ بیگم بھی دیکھو دنیا میں اب اسکا کوئی نہ تھا

والا نہ تھا۔ فلک نے اس پردن لکھو لکر کینہ نکالا تھا۔ امیر سے غریب کردیا تھا مگر آہ اک بیٹے کے ملنے کی امید میں اپنی مصیبت کی گھڑیاں خاموشی سے کاٹ رہی تھی۔

بلقیس چونکہ ابھی کم عمر تھی اور زمانے کے نشیب و فراز سے ناواقف اس لیے اس کو کسی طرح صبر نہ آتا تھا۔ بچپن راحت و آرام میں کٹا شادی کے بعد چھ مہینے ہنسی خوشی بسر ہوئے وہ یہ کب جانتی تھی کہ دنیا میں رنج و غم بھی کوئی چیز ہے وہ تو یہ ہی سمجھتی تھی کہ تمام عمر عیش اور راحت میں گذرے گی بار بار دلکو سنبھالتی تھی مگر سلیمان کی جدائی سے دل کسی طرح نہ بہلتا تھا۔ زینب کے یہاں آئے ہوئے ان کو پندرہ روز سے زیادہ گذر گئے تھے اور اس عرصہ میں کوئی خبر سلیمان کی خیریت کی بلقیس تک نہ پہنچی اسلیے وہ اور بھی زیادہ پریشان تھی اور سوچتی تھی کہ خدایا کوئی افتاد سلیمان پر تو نہیں پڑی جب جمشید کی زبانی معلوم ہوا کہ دہلی میں بھی علم بغاوت بلند ہوگیا اور بہادر شاہ کے کل ساتھی بغاوت پر آمادہ ہوگئے تو اس کی پریشانی کی کوئی حد نہ رہی۔

بلقیس کی دلجوئی میں زینب اور ثریا بیگم ہر وقت مشغول رہتی تھیں اور ضرورت اور مجبوری سے بلقیس بھی اپنی تمام خوش آیند راحت اور آرام کے خیالات کو خیرباد کہہ چکی تھی مگر سلیمان کا خیال بار بار اسکے اطمینان اور سکون میں خلل ڈالتا تھا۔ بلقیس گو کم عمر تھی مگر ناسمجھ نہ تھی۔ اس کو معلوم تھا کہ بغاوت کا انجام باغیوں کے لیے اچھا نہ ہوگا اسلیے جب اس نے

سنا کہ اسکا پیارا شوہر بھی مثل اور لوگوں کے باغیوں کا شریک ہوگیا اور بہادر شاہ کی طرف سے انگریزوں کا مقابلہ کر رہا ہے تو اس کی آنکھوں کے سامنے اپنے شوہر کی موت اور اپنی بیوگی کی بھیانک تصویر پھر گئی۔ وہ خدا سے دعا مانگتی تھی کہ کسی طرح اپنے شوہر کو صحیح و سلامت دیکھے یا خط ہی بھیج سکے۔ پہلی خواہش فی الحال ممکن نہ تھی البتہ دوسری آرزو پوری ہوسکتی تھی مگر خط لے کون جائے تمام ملک میں جا بجا باغیوں کے پڑاؤ تھے اس صورت میں قاصد کا صحیح سلامت منزل مقصود تک پہنچ جانا دشوار امر تھا جمشید البتہ اس کام کو کرسکتا تھا اسلیے کہ جمشید کو نمک کا بڑا پاس تھا اور بلقیس جانتی تھی کہ جمشید اس کے کام میں اپنی جان تک سے دریغ نہ کریگا۔ مگر مشکل یہ تھی کہ سلیمان کا ٹھیک پتہ تک معلوم نہ تھا صرف اتنا معلوم تھا کہ بہادر شاہ کی فوج کے ساتھ ہے اور انگریزوں سے مقابلہ کرتا پھرتا ہے اسلیے اسکا دہلی ہونا یقینی بات نہ تھی بلقیس انھیں خیالات میں مستغرق تھی کہ زینب نے ایک پرچہ لاکر اس کے ہاتھ میں دیا جسکا مضمون حسب ذیل تھا۔

"مہربان من۔ حامل رقعہ میرا آدمی ہے۔ میں چند وجوہات سے ایک عرصہ تک "سنبت" مقیم رہوں گا۔ مجھ سے آکر مل جاؤ۔ باقی زبانی۔

سلیمان

اس خط کو پڑھکر بلقیس اچھل پڑی خوشی نے پڑھکر مبارکباد دی آرزو نے

ہاتھ اٹھا اٹھا کر اقبال مندی کی دعائیں دیں۔ غم کی تیرہ و تار گھٹا پر امید کی بجلی گری۔ رنج و محن کے خرمن میں آگ لگی۔

بے جان قالب میں از سر نو جان آئی۔ سلیمان کی تحریر اس طرح اچانک نظر پڑ جانا بلقیس کے بے معمولی خوشی تھی۔ وہ تو عرصہ سے دست بدعا تھی کہ کسیطرح اس کے پیارے شوہر کا خط آئے۔ یہ خط گو جمشید کے نام تھا لیکن بلقیس سمجھ گئی کہ مصلحتاً اس پردے سے خط بھیجا گیا۔ اس نے فوراً جمشید کو بلا کر ایک خط لکھ دیا اور تاکید کی جسطرح ممکن ہو بہت جلد جواب لیکر واپس آئے۔ خط کا مضمون مختصر مگر پر معنی تھا۔ کچھ اپنی [illegible] کا حال کچھ سلیمان کی تکلیف پر اظہار ملال۔ جدائی اور اضطراب میں [illegible] [illegible] [illegible] زبانی جمشید کو سمجھا دیا کہ جسطرح بن پڑے سلیمان کو ساتھ لیکر آئے اور اگر ممکن نہ ہو تو مفصل خط ہی لیکر جلد پھر آئے۔

جمشید اسی رات قاصد کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ رات کو چلنا ضروری [illegible] اس [illegible] آشوب زمانہ میں دن کو سفر کرنا دنیا سے گزر کرنے کے برابر تھا۔

باب دوم

آہ! انتظار کی گھڑیاں کیسی مشکل سے کٹتی ہیں۔ ایک ایک دن ایک ایک مہینہ کی طرح گذرتا ہے۔ دل میں پریشان خیالات گھر کرتے ہیں۔ عجیب عجیب بھیانک شکلیں آنکھوں کے سامنے آکر آنکھیں دکھاتی ہیں۔

جمشید کو گئے ہوئے ابھی چند گھنٹے ہی گذرے تھے مگر بلقیس کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمانہ دراز گذر گیا۔ وہ ابھی منزل مقصود تک پہنچا بھی نہ تھا کہ بلقیس اس کی آمد کی منتظر تھی۔ گو جانتی تھی کہ شیشہ دو دن بکار آسکتا ہے مگر دل کہتا تھا کہ وہ آتا ہی ہوگا۔ انتظار گو ایک قسم کی بذات خود تکلیف ہے مگر اس کی تلخی میں جو شیرینی ہے وہ صرف وہ ہی جانتے ہیں جنھوں نے انتظار کی تکلیف اٹھائی ہے۔

سورج نکلا۔ اور غروب ہو گیا۔ ستارے چمکے اور ماند ہو گئے۔ مگر جمشید نہ آیا بلقیس کا خیال کئی بار زمین سے آسمان [illegible] اور زمین روشن ہوئی آسمان [illegible] مگر جمشید نہ آیا کئی بار ارد گرد کا جنگل طیور کے نغموں سے گونج اٹھا۔ اور [illegible] شہر [illegible] کا موتی [illegible] باغی [illegible] اور [illegible] [illegible] [illegible] جمشید

نہ آیا!!!
بلقیس نے تین دن انتظار کی گھڑیاں گن گن کر کاٹے تین صدیاں امید و بیم میں گذر گئیں۔ بلقیس اور ثریا بیگم دونوں جمشید کے واپس آنے کی منتظر تھیں۔ ہزار طرح کے وسوسے دل میں پیدا ہوتے تھے ایک کو شوہر کی یاد ستاتی تھی دوسری کو بیٹے کی جدائی خون کے آنسو رلاتی تھی۔ ان دونوں کو کوئی چیز اس غم میں اچھی نہ معلوم ہوتی تھی۔ صبح کو پرندے پکار پکار کر انکو اپنی خوشی کے گیت سنانے کے لیے بلاتے تھے۔ درختوں کے پتے تالیاں بجا بجا کر اپنی طرف متوجہ کرتے تھے۔ ہوا ٹھنڈی سانس بھر بھر کر ان غریبوں کو تسلی دیتی تھی مگر جمشید اب بھی نہ آیا۔
چار دن گذر کر پانچواں دن شروع ہو گیا۔ سورج ہر ذی روح کو نئی زندگی اور شگفتگی تقسیم کرتا ہوا مشرق سے مغرب کو نکل گیا شب کی سیاہی نے اٹھکر فیصلہ کر دیا کہ خوبصورتی اور بدصورتی ایک ہے۔
تھکے ماندے چوپاؤں نے آرام پایا۔ طیور نے آشیانوں میں سر چھپایا خاموشی اور سکوت نے کارہاری مخلوق کو پکار پکار کر کام بند کرنے اور آرام کرنے کی تاکید کی۔ نصف کرہ زمین میں سناٹا چھا گیا اور نیچے آسمان کی قندیلیں اپنی معصوم خوشنما آنکھوں سے دیکھتے دیکھتے سو گئے۔ ماؤں کے محبت بھرے ہاتھ تھپکتے تھپکتے رفتہ رفتہ ساکن ہو گئے۔ مگر بلقیس کو نیند نہ آئی۔ وہ جمشید کی منتظر تھی۔ انتظار اور نیند میں قدیمی لاگ ہے۔

تمام رات بیچاری نے کروٹیں بدل کر گذار دی۔ دستِ قدرت نے نورانی طلائی طشت مشرق میں اُچھالا۔ اور آسمان و زمین سنہری کرنوں سے جگمگا اُٹھا۔ مشرق سے اُچھل کر یہ طشت مغرب میں جا گرا۔ مگر بلقیس کی بے چینی میں فرق نہ آیا۔ زینب و ثریا بیگم بلقیس کے کمرے میں اسکے پاس خاموش بیٹھی ہوئی ہیں ایک کی زبان میں طاقت نہیں کہ دلخواہ اظہار ہمدردی کر سکے دوسری کو اپنے پریشان کن خیالات سے فرصت نہیں کہ بات چیت کی روادار ہوں۔ ایک عرصہ اسیطرح خاموشی میں گذرا۔ اندر مکان میں اور باہر جنگل میں ہرطرف خاموشی چھائی ہوئی تھی صرف کسی قریب کے گاؤں میں کوئی بے فکر کسان قدرتی بلند آواز میں گا رہا تھا۔ آواز درختوں سے اُلجھ اُلجھ کر بہت کمزور ہو کر زینب کے مکان میں سنائی دیتی تھی تینوں عالم سکوت میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ زینب کی ضعیف آنکھیں جن سے رحمدلی اور ہمدردی چھن چھن کر چلا رہی تھی کا ثبوت دیتی تھیں کبھی ثریا بیگم پر پڑتی تھیں کبھی بلقیس پر۔ کسی نے دروازہ کھٹ کھٹایا اور تینوں چونک پڑیں بلقیس نے گھبرا کر چراغ اُٹھا لیا اور تیزی سے دروازہ کھولنے کے لیے لپکی۔ بڑی مشکل سے اُنگلیوں نے کنڈا چھوڑا۔ دروازہ کھولتے ہی چراغ کی روشنی اُچھل کر ایک چہرہ پر پڑی اور بلقیس کی آنکھوں تلے اندھیرا آگیا۔ وہ چہرہ اجنبی [illegible] کہ وہ اسقدر منتظر بھی نہ تھا۔ بلکہ ایک اجنبی عورت کی آواز یہ کہتی ہوئی سنائی دی۔

اجنبی عورت: فیاض بی بی! ایک [illegible] مصیبت زدہ عورت اور

[illegible]

پناہ دو!

بلقیس نے کچھ جواب نہ دیا۔ صرف دروازے کو اور زیادہ کھول دیا اور
چراغ سر سے بلند کر لیا۔ اجنبی عورت دعائیں دیتی ہوئی معہ ایک بکری
کے جو اس کے پیچھے کھڑی تھی مکان میں داخل ہو گئی۔ ایک خوبصورت بچہ جس کی
عمر ایک سال سے زیادہ نہ تھی اس عورت کی گود میں تھا اور ایک بچہ کمر سے لپٹا ہوا تھا
آہ! بلقیس کو جمشید کے نہ آنے سے بڑی مایوسی ہوئی۔ اس کو یقین تھا کہ
دروازہ کھولتے ہی جمشید اس کے پیارے شوہر کا خط اس کے ہاتھ میں دیگا
مگر خدا کے ارادوں کو کون پا سکتا ہے؟ ایک لاوارث عورت اور دو معصوم
بچوں کا پھر کون استقبال کرتا۔ اجنبی عورت کا سن ۲۴-۲۵ برس سے
زائد نہ تھا۔ اس کے چہرے سے اگرچہ مصیبت ظاہر ہوتی تھی مگر نقش و نگار سے شرافت ٹپکتی
تھی کپڑوں کی حالت بہت ردی تھی جا بجا سے پھٹے ہوئے تھے مگر وضع قطع سے
نسیم اور ثریا بیگم بجائے جمشید کے اجنبی عورت کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو کر
ایک دوسرے کا منہ تکنے لگیں۔ بلقیس نے چراغ طاق میں رکھ دیا
اور اجنبی عورت کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ عورت نیچے زمین پر بیٹھ گئی۔ اور
دونوں بچوں کو اپنے سامنے بٹھا لیا جو بچہ گود میں تھا وہ اس قدر خوبصورت
تھا کہ بیان سے باہر ہے دوسرا بھی خاصہ خوبصورت بچہ تھا۔ دونوں لڑکیاں
تھیں دونوں کی بھولی بھولی پیاری صورتیں تھیں۔
بلقیس پر اس مسکین عورت کی مصیبت کا بہت گہرا اثر پڑا وہ تو یہی سمجھتی تھی

[illegible]

بچوں میں مصیبت اور بے کسی کی زیادہ بھیانک تصویر نظر آتی تھی۔
خوبصورت بچوں کو دیکھکر علی العموم دل خوش ہوتا ہے مگر ایسے موقع پر بجائے
خوشی کے رنج ہونا لازمی بات ہے۔ زینب اور شفیق نے اس اجنبی عورت
کے لیے کچھ پکانا شروع کیا۔ ثریا بیگم جسکا دل محبت اور ہمدردی سے معمور
تھا برابر دیکھ رہی تھی کہ یہ خوفناک منظر دیکھنے کی تاب نہ لاسکی اور عورت سے
اس طرح سے مخاطب ہوئی جسطرح ایک مصیبت زدہ بہن
سے مخاطب ہوتی ہے ثریا بیگم گو ہمیشہ سے منکسر المزاج تھی مگر مصیبت نے
اور زیادہ خلیق بنادیا تھا۔ عورت سے اس نے پوچھا کہ وہ کہاں کی
رہنے والی ہے اور اس طرح رات میں جنگل جنگل پھرنے کی کیا وجہ ہے اجنبی
عورت گو اسوقت بہت زیادہ کسلمند تھی مگر ثریا بیگم کے لہجے سے ہمدردی
کی بو آتی تھی اسلیے [illegible] کرنے پر آمادہ ہوگئی
مصیبت میں ہمدرد سے زیادہ کس کا حق ہے۔ اجنبی عورت نے بیان
کرنا شروع کیا۔

اجنبی عورت۔ بیوی خدا آپ کو خوش رکھے اور میری دستگیری کا اجر عطا
کرے۔ میں آپ سے اپنا سچا سچا حال کہدونگی کیونکہ آپکی باتوں
سے محبت اور سچائی کی بو آتی ہے۔ آپ علاوہ اسکے میری محسن
ہیں اور محسن سے کسی بات کا چھپانا انسانیت سے بعید ہے۔
اس وقت بیوی گو میری حالت میری صورت آپکی نگاہوں

ہیں عجیب معلوم ہوتی ہو مگر دراصل کوئی بات اس پر آشوب
زمانے میں عجیب نہیں مجھ غریب کی کیا حقیقت ہے بڑی بڑی
نوابزادیاں آج کل جنگلوں میں ٹھوکریں کھاتی پھرتی ہیں۔
آج کل ملک بھر میں مصیبت کا لنگر جاری ہے جس سے غریب
و امیر یکساں حصہ پا رہے ہیں۔ باغیوں نے ملک میں غدر مچا رکھا ہے
فرنگیوں کے اقبال کا ستارہ برج نحوست میں ہے۔
دیکھیے خدا کو کیا منظور ہے۔ بیگم میرا نام فاطمہ ہے۔ بہت تھوڑے
دن ہوئے کہ میں اپنی خوش نصیبی پر ناز کیا کرتی تھی۔ خدا نے
سب کچھ دیا تھا۔ میرے شوہر خدا غریق رحمت کرے باغیوں
کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ میرا مکان بلند شہر میں ہے۔ اب تو
اس کا نشان بھی نہ ہوگا۔ باغیوں نے کبھی کا خاک میں ملا دیا
ہوگا۔ میرے شوہر فوج میں میرٹھ چھاؤنی میں تھے جب سپاہی
باغی ہوئے اور چاہا کہ ان کو بھی اپنا جیسا باغی بنالیں تو انھوں
نے انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ جس کا اتنے دن نمک کھایا ہو اس پر
ہاتھ نہ اٹھے گا۔ اس وقت سپاہی اپنی جہالت کے جوش میں دیوانے
ہو رہے تھے ان وحشیوں سے اس وقت انکار کب برداشت
ہو سکتا تھا۔ فوراً ہی تو شہید کر ڈالا کمبختوں نے خدا ان
موذیوں پر رحم نہ کرے۔ موذیوں پر خدا کا قہر نازل ہو پھڑک
پھڑک کر دنیا سے جائیں۔

فاطمہ یہ کہتے کہتے رُک گئی اور آنکھوں سے بڑے بڑے آنسو ٹپ ٹپ ایک بچی کے خوشنما سر پر گرے جس نے گھبرا کر اپنا بھولا سا چہرہ اُٹھایا اور مڑ کر فاطمہ کو دیکھا اور ماں کو روتا دیکھ کر بے اختیار سہم کر چمٹ گئی۔ فاطمہ نے زور سے لڑکی کو چپٹا کر پیار کیا اور کہا بیگم خدا نے یہی ایک لڑکی مجھ کو دی ہے۔ یہی اپنے شہید باپ کی نشانی دنیا میں باقی رہ گئی ہے۔ آہ۔ اس کی شکل اپنے باپ سے کس قدر ملتی ہے۔ بالکل وہی نقشہ ہے۔"

ثریا بیگم: "ایں۔ کیا یہ دوسری بچی تمھاری نہیں؟"

فاطمہ: "نہیں بیگم۔ مگر اپنی [illegible] کم پیاری نہیں۔ دونوں یتیم ہیں ایک کا باپ شہید ہو گیا دوسری اپنے باپ کو عمر بھر نہ دیکھ سکے گی۔

میں بتاؤں گی کہ یہ پیاری بچی مجھ تک کیونکر پہنچی۔ دیکھیے اس کا چہرہ کیسا نورانی ہے صورت سے کیسا بھولا پن برستا ہے یا خدا یتیم بچوں اور بیوہ عورتوں کا تو ہی وارث ہے فاطمہ کا تو ہی مددگار ہے۔ اس دنیا ..... میں ..... اب ......"

فاطمہ نے ثریا بیگم کی طرف سے مُنہ پھیر لیا۔ دیوار پر [illegible] آہستہ آہستہ جل رہا تھا۔ ثریا بیگم کو چراغ دُھندلا نظر آیا ...

ثریا بیگم: "فاطمہ۔ صبر کرو۔ خدا تمھاری مدد کرے ... گا۔ اس گھر میں سب تمھاری طرح قسمت کے ستائے ہوئے ہیں۔ تم نے

بھی کہا تھا کہ آج کل مصیبت عالمگیر ہے۔ پھر رونا کیسا؟

فاطمہ: ہاں بیگم۔ عالمگیر ہے۔ پھر رونا کیسا۔ رونا میری کم عقلی کی دلیل ہے۔ کسی پر دنیا میں ہمیشہ ایک سا وقت نہیں رہا۔ شادی و غم دنیا میں ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ قبر کے اس پار ہی الگ الگ ہوتے ہیں۔ اور دنیا میں اور آخرت میں بڑا فرق یہی ہے۔ وہاں یا صرف غم ہی غم ہے۔ یا شادی ہی شادی۔ غم ایسا کہ کبھی تمام نہ ہو شادی ایسی کہ کبھی دور نہ ہو۔ دنیا میں میرا اب کوئی پوچھنے والا نہیں۔ فاطمہ کا جسکو باپ نے کس محبت سے پالا تھا۔ اور کس شفقت سے پڑھایا تھا۔ سب نے بہتیرا کہا کہ لڑکی کو کیا خاک دھول پڑھائے ڈالتے ہو بگڑ جائیگی۔۔۔ انھوں نے کسیکے کہنے کی پروا نہ کی۔ کسقدر محبت تھی۔ الٰہی میری ماں بچپن ہی میں مجھکو چھوڑ کر خدا کے گھر چلی گئی تھیں۔ باپ نے ماں کی طرح پالا۔ مجھسے کہا کرتے تھے اور ہائے بہت آزردہ ہو جایا کرتے تھے کہ فاطمہ تمہاری شکل ہو بہو اپنی ماں کی نقل ہے۔ میرے باپ بڑے جید عالم تھے۔ ہر رتبہ کے چھوٹے بڑے عزت کرتے تھے۔ کیسے خدا ترس تھے۔ دوسروں کے لیے اپنی جان دیدینا بڑی مشکل بات ہے۔ علیگڈھ سے کئی انگریز اور میم لوگ راتوں رات ہمارے مکان میں خدا جانے کس طرح آگئے۔ دو چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے۔ ہائے جیسے یہ دو بچے ہیں۔ میرے باپ نے

پڑی تھی جب ان انگریزوں نے پناہ مانگی۔ وہاں کہنے سننے
کی کیا ضرورت تھی۔ وہ تو فرشتہ تھے فرشتہ۔ سارا مکان خالی
کرکے دہلیز میں جا بیٹھے ایک فرنگی سے تلوار لے لی کہ مکان
کا پہرہ دیں۔ رات بھر بیٹھے قرآن شریف پڑھا کیے۔ بیگم میرا
چچازاد بھائی جس نے مجھ سے یہ قصہ بیان کیا تھا کہتا تھا کہ
تین روز تک میرے باپ نے انگریزوں کو اپنے ہاں چھپائے
رکھا۔ وہ کہتا تھا کہ ان میں دو انگریز بہت بڑے افسر تھے
خدا کی قدرت گوروں کی فوج کہیں پورب کی طرف سے آئی
اور خورجہ کے قریب ہی پڑاؤ کیا۔ میرے باپ تو ایسے وقت
کے منتظر ہی تھے راتوں رات سب انگریزوں کو گوروں کے
پڑاؤ میں پہنچا آئے۔ سعید میرا بھائی کہتا تھا کہ ان دو انگریزوں
نے جو افسر تھے میرے باپ کو ایک خط دیا تھا خدا جانے
کیا لکھا ہوگا۔

میم لوگ اور صاحب لوگ مولوی صاحب میرے
باپ کو کہتے تھے ایک میم نے کچھ اشرفیاں میرے باپ کو
دینا چاہیں۔ بھلا وہ لینے والے تھے۔ یہی کہا کہ میم صاحب
آپ لوگوں کی جان بچ گئی میرے لیے یہی اللہ بس ہے۔
گورے اور میم صاحب میم لوگ تو دہلی کی طرف چلے گئے صبح کو
بہت سویرے آگرہ سے یا خدا جانے کہاں سے

باغی آگئے۔ خورجہ میں تمام بازار بند ہو گئے۔ مکان کے دروازے بھی۔ لوگوں
نے مارے ڈر کے بند کر لیے۔ باغی کہیں کواڑوں سے رُک سکتے تھے۔ آناً فاناً میں
تمام خورجہ میں پھیل گئے جو کچھ جسکے ہاتھ لگا لے گیا۔ اور لوٹ مار سے بھی بس نہ کی
کمبختوں نے مکانوں میں آگ لگا دی میرے ابا کے گھر میں بھی آگ لگا دی آگ
تو لگائی کیونکہ میرے باپ اس وقت وظیفے میں مشغول تھے مگر خدا جانے موئیلا
کو ان انگریزوں کی کیا چیز نظر پڑ گئی کہ بالکل آپے سے باہر ہو گئے۔ میرے باپ کے
چوٹی سے پکڑ کر گھسیٹ لیا اور کہا کہ بتاؤ یہ چیز کس کی ہے تم نے ضرور انگریزوں
کو پناہ دی ہے۔ میرے باپ کو اپنی موت کا یقین ہو گیا اور ممکن تھا کہ جھوٹ بولکر
جان بچا لیتے مگر انھوں نے صاف کہدیا کہ ہاں میں نے ضرور مصیبت زدوں
کو پناہ دی ہے بس یہ کہنا تھا میرے باپ کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا گھر میں
آگ لگا دی سعید خدا جانے کس طرح بچکر میرے پاس پہنچا اور مجھ سے کل
حال بیان کیا مگر واہ ری قسمت کہ فلک اب بھی ستانے سے باز نہ آیا اب
کیا باقی رہا ہے میرا دنیا میں۔ باپ ادھر شہید ہو گئے۔ شوہر ادھر اللہ کے پاس
سدھارے۔ دنیا میں یہی ایک بچی زندگی کا سہارا ہے۔ دیکھیے اگر موذیوں
کے ہاتھ سے بچ گئی۔ الٰہی میری بے کسی پر رحم کر اپنے حبیب کے صدقے
میری بچی کو نظر بد سے محفوظ رکھ۔ بیگم ایک مصیبت ہو تو کہوں۔ بلند شہر بھی
باغیوں کے دست ظلم سے نہ بچا سعید کو ساتھ لیکر راتوں رات بھاگی۔
بیگم خدا بُرا وقت دشمن پر نہ ڈالے۔ وہ رات روز قیامت سے کم نہ تھی رات
کے کوئی ۱۱ بجے ہوں گے کہ شہر میں باغیوں کی آمد کا غل پڑا۔ لوگ باگ گھر

چھوڑ چھوڑ بھاگنے لگے۔ عورتوں کے رونے بچوں کے بلکنے کی آوازیں دل ہلائے
دیتی تھیں۔ عورتیں۔ مرد۔ بوڑھے۔ جوان منہ اٹھائے جنگل کو بھاگ گئے۔
بڑی بڑی شریف زادیاں جنھوں نے عمر بھر گھر سے باہر قدم نہ نکالا تھا افتاں
خیزاں بھاگتی چلی جاتی تھیں۔ کسیکی گود میں بچہ ہے۔ کسی کا بچہ گم تھا۔ کوئی بچہ کا ہاتھ
پکڑے ہوئے گرتی پڑتی چلی جا رہی تھی۔ ہر شخص کو نفسی نفسی پڑی تھی جدھر
جسکا منہ اٹھا چل دیا۔ کوئی بھائی کو پوچھتا تھا نہ بہن کو۔ توبہ توبہ کیا برا وقت تھا۔
میں بھی سعید کو ساتھ لیکر ایک عالم بیکسی میں نکل کھڑی ہوئی۔ جیز بست
کی کسے پڑی تھی اسوقت تو جان کے لالے تھے۔ گھر کھلا کا کھلا چھوڑا جنگل
کو دیکھکر دل بیٹھ گیا۔ میں اور سعید اور یہ دو سوا دو برس کی جان اور
وہ جنگل بیابان۔ رات ایسی اندھیری کہ ہاتھ نہ سجھائی دیتا تھا۔ اندھیرے
میں جھاڑ جھنکاڑ کچھ نظر نہ آتا تھا۔ غرض گرتے پڑتے جنگل میں سے بڑی
مشکل سے نجات ملی۔ اسیطرح کئی روز تک بھاگتے رہے۔ ارادہ تھا
کہ کسی طرح خیر و عافیت سے مظفر نگر جہاں میرے بڑے بھائی کچہری میں نوکر
تھے جا پہنچوں۔ مراد نگر کے قریب جب ہم آئے تو سعید نے کہا کہ آبادی میں
چلنا چاہیے یہ کیا لازمی بات ہے کہ ہر جگہ باغی ہی باغی ہوں میں نے ہر چند
سمجھایا مگر وہ نہ مانا اور کہا کہ میں ضرور جاؤنگا۔ میں اس حیثیت میں اسے
کیسے اکیلے جانے دیتی۔ میں نے کہا کہ اچھا چل۔ شہر سے باہر کوئی میل بھر کے
فاصلہ پر ایک عالیشان عمارت تھی یہاں بیگم یہ رات کا وقت تھا جب ہم مرادنگر
کے قریب پہنچے۔ اندھیرا بدستور ہر طرف چھایا ہوا تھا۔ اس تاریکی میں وہ

عورت [illegible] شدت [illegible] بہت [illegible] تھی۔ [illegible] کہ باغیوں نے اس [illegible]
میں بھی آگ لگا دی تھی۔ میں نے سعید سے کہا کہ دیکھو وہ سامنے باغیوں نے
مکان میں آگ لگا دی تو وہاں جانا مناسب نہیں مگر تھا بچہ ضدی
نہ مانا کہا چلو بھی تمھیں تو ہر جگہ آگ ہی آگ نظر آتی ہے

آگ کے شعلے زیادہ بلند ہوتے جاتے تھے۔ چنگاریاں اڑ اڑ کر آسمان تک
جاتی تھیں کڑیاں چیخ چیخ کر اس بھیانک سکوت کو توڑتی تھیں۔ مکان کے
اردگرد روشنی کا ایک بڑا وسیع دائرہ اس خوفناک تاریکی میں الگ
معلوم ہوتا تھا۔ کبھی ایک آدھ آدمی مکان سے نکلکر عالم مدہوشی میں اس
روشن دائرہ سے گذر کر تاریکی میں غائب ہو جاتے تھے۔ میں بچی جسکو میں
[illegible] سے لگائے ہوئے تھی دل ہلانے والے [illegible]
تاریکی میں [illegible] کچھ [illegible] آہٹ معلوم ہوئی۔ میں سہم کر کھڑی ہو گئی [illegible]
سے معلوم ہوا کہ میری بچی کے رونے کی [illegible] طرف کھینچ بلا رہی ہے۔
سعید آکر میرے برابر کھڑا ہو گیا اور خوف سے کانپنے لگا۔ میرا اس وقت برا
حال تھا۔ کبھی سعید کی حالت دیکھکر دل بیٹھا جاتا تھا کبھی بچی کی صورت
دیکھکر کلیجہ منہ کو آتا تھا۔ خوف کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین نے
پاؤں پکڑ لیے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتی تھی مگر کچھ
نظر نہ آتا تھا اور آہٹ قریب ہوتی جاتی تھی۔ کھڑکھڑاہٹ اچانک
بند ہو گئی اور ایک بہت کمزور آواز میرے کانوں میں آئی۔

آواز کیا تھی یہ کس ستم رسیدہ کے بچے کی رونے کی آواز تھی۔ میری طرح

کوئی اور بھی ......"

مَیں :- اے غیبی فرشتے ایک مظلوم عورت اور اس کے بچے پر رحم کر

تیچوں میں پھر کھڑکھڑاہٹ ہوئی اور ایک شخص جو کسی چیز کو گود میں لیے

تھا سامنے آ کھڑا ہوا۔ اسکے پیچھے کوئی سیاہ چیز معلوم ہوتی تھی۔

اجنبی آدمی :- عورت تو فلک کی ستائی معلوم ہوتی ہے۔

مَیں :- ہاں مجھ پر بڑی مصیبت پڑی ہے۔ مگر اے غیبی فر......"

اجنبی شخص :- خدا تیری حالت پر رحم کرے۔ لے میں تجھے ایک امانت دیتا ہوں۔ یہ ایک شریف کی نورِ نظر اور جگر گوشہ ہے اسے لے اور یہاں سے بھاگ جا۔ تو موت کے منہ میں ہے۔ اس معصوم کی ماں کو باغیوں کے بے درد ہاتھوں نے کٹی کر ڈالا۔ باقی حال شعلوں کی زبانی سن۔ وہ دیکھ سامنے بربادی کی تصویر کس قدر روشن ہے اس بچی کی پرورش کر خدا تجھکو ! [illegible] دیگا

یہ بکری اس بچی کے دودھ پلانے کے لیے مقرر تھی۔ خودبخود میرے ساتھ چلی آئی ہے۔ اس بچی کے گلے میں تعویذ ہے اسکی حفاظت کرنا۔ میں حقِ نمک ادا کر چکا میرا اخیر وقت ہے۔ آگ نے مجھے سر سے پیر تک پھونک دیا ہے۔ آبادی کی طرف نہ جانا ادھر موت منہ کھولے کھڑی ہے۔ باغی لوگ لوٹ غارت میں مشغول ہیں۔ اس طرف جنگل میں بھاگ جا خدا تیری مدد کرے۔ سعیدہ نے اس شخص سے پوچھا کہ آپ کہاں جائینگے تو اس نے جواب دیا

کہ میں دہلی جانا چاہتا ہوں اگر وہاں پہنچ گیا تو اطمینان سے جان دونگا۔ سعید میری طرف مخاطب ہوا۔

سعید: "بہن اب مجھے رخصت کرو۔ میں بھی دہلی جاؤں گا۔ مجھے اپنے مرحوم چچا کا باغیوں سے بدلا لینا ہے۔ گو میں خود بچہ ہوں مگر میرے پاس وہ چیز ہے جس سے کل انگریزی فوج میری خدمت کرے گی"

میں: "سعید تو پاگل ہے مجھے ایسے وقت تنہا چھوڑتا ہے میں جنگل میں کہاں ماری ماری پھروں گی"

سعید: "نہیں بہن۔ میں دہلی ضرور جاؤں گا۔ اس سے بہتر موقعہ نہیں مل سکتا۔ ان کے ساتھ چلا جاؤں گا۔ تمھارا جی چاہے تم بھی وہیں چلو"

میں: "اچھا بھائی جاؤ خدا حافظ۔ زندگی ہے تو پھر مل رہیں گے۔ اس مصیبت میں سوائے خدا کے کون ساتھی ہے"

میں نے اور اجنبی آدمی نے ہر چند سعید کو سمجھایا مگر وہ ننھا تا بچپن سے ضدی تھا۔ آخر میں ادھر کو چلدی اور سعید اور وہ اجنبی آدمی اس طرف کو۔ بکری میرے ساتھ ہولی۔ بیگم دیکھو اس بے زبان کو کیسی محبت ہے۔ اگر یہ نہوتی تو جمیلہ کبھی کی اپنی ماں کے پاس پہنچ گئی ہوتی بیگم آج چھٹا دن ہے کہ جنگل میں اس امانت کو لئے ہوئے پھر رہی ہوں۔ مجھے اس پیاری بچی سے اب بہت زیادہ محبت ہوگئی ہے اور میں نے عہد کر لیا ہے کہ اس کو اپنے سے جدا نہ کروں گی بیگم یہ ہے میری مصیبت کی کہانی"

زینب اور بلقیس بھی کچھ دیر سے فاطمہ کی پُر درد کہانی ایک عالم سکوت میں بیٹھی سن رہی تھیں۔ زینب زار قطار رو رہی تھی۔ ثریا بیگم اور بلقیس پر مصیبت کی اس داستان کا بڑا اثر ہوا۔

بلقیس نے حمیلہ کو گود میں اُٹھا لیا اور کچھ ایسی محبت سے پیار کیا کہ معصوم حمیلہ نے اپنے ننھے خوبصورت ہاتھ بلقیس کے گلے میں حائل کر دیئے محبت بے زبان جانوروں اور ناسمجھ بچوں پر یکساں اثر ڈالتی ہے۔ بلقیس نے حمیلہ کو ایسے محبت بھرے ہاتھوں سے تھپکنا شروع کیا کہ تھوڑی دیر میں معصوم بچی بلقیس کے جھکے ہوئے چہرے کو دیکھتے دیکھتے سو گئی۔

یا خدا تو نے محبت میں کیا اثر رکھا ہے۔ آہ محبت کی زبان کیسی زبان ہے کہ جانور اور بچے تک سمجھ جاتے ہیں۔ محبت بھری نظروں میں کیا جادو ہے کہ وحشی تک رام ہو جاتے ہیں خوش نصیب ہیں وہ بچے جن کی مائیں زندہ ہیں۔ آہ حمیلہ خوبصورت بچی تو بھی بغاوت کی عالمگیر تباہی سے نہ بچ سکی معصوم بے زبان لڑکی تجھ پر بھی اس خوفناک شورش کو رحم نہ آیا۔ ہائے یہ عمر اور ماں کی موت کا داغ ... یا یہ سن اور اتنی بڑی مصیبت آہ یہ ننھی سی جان اور ماں کی گود سے محروم۔

دنیا کیسا عبرت انگیز مقام ہے آنکھیں کھولو اور نظر کرو مصیبت کی ڈراونی شکل نہ دیکھی جائے گی۔ جو سمجھ دار ہیں ان واقعات سے سبق لیتے ہیں اپنی مصیبت کو غیر معمولی نہ سمجھو۔ دنیا میں بڑی بڑی مصیبتیں ہیں۔ آنکھ دیکھو اور شکر کرو کہ تمہاری مصیبت ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ خوشی

کہ وہ چند ایام بھی غنیمت سمجھو اور خدا کا شکر کرو۔ کہ خوشی دنیا میں بہت کم اور ناپائدار ہے۔ غرضیکہ ہر حال میں خوش رہو۔ ہر حالت پر شاکر رہو

دل دے تو اس مزاج کا پروردگار دے
جو رنج کی گھڑی کو بھی ہنس کر گذار دے

باب سوم

گرمی کے موسم میں صبح کا وقت بہت دلفریب ہوتا ہے [illegible] جہاں
آبادی ہے جہاں ہوا اور روشنی کا گذر نہیں ہوتا صبح کے وقت ایک شگفتگی سی
برستی ہے۔ جنگل کا تو کیا کہنا۔ اگر کاہلی فرصت دے تو علی الصباح جا کر دیکھو۔
قدرت کی روشن کتاب مطالعہ کرو۔ اس وقت پتّا پتّا زبان بنکر صانع
حقیقی کی اس [illegible] تعریف کرتا معلوم ہوگا کہ [illegible]
جنگل دیکھنے [illegible] اور وہ محبت بھری آنکھیں چاہئیں
اس وقت جنگل میں منگل نظر آئے گا۔ کانٹا ہوا [illegible]
[illegible] آہستہ آہستہ جنبش دینا دل
میں گدگدی پیدا نہیں کرتا؟ کیا بڑے بڑے درختوں کا شرابِ نسیم سے حالت
بیخودی میں جھومنا تعجب خیز نہیں۔ پرندوں کے خوشنما لباس اور دلکش
نغمے کیا انسان کو بیخود کرنے کے لیے کافی نہیں۔

باغ کا ذکر نہیں۔ وہاں انسان کا ہاتھ نظر آتا ہے۔ قدرتی باغ کی سیر کرو
جہاں کا مالی تمام جہان کا بادشاہ ہے۔ باغ کو جنگل سے کوئی نسبت نہیں۔
باغ جنگل کی شان کہاں سے لائینگے۔ ایسے گھنے سایہ دار قد آور درخت
وہاں کہاں سے آئینگے۔ اس باغ میں نہ کیاری ہے نہ روش مگر پھر

ایسا خوشنما ہو کہ دیکھنے سے دل نہیں بھرتا۔
زینب کا گھر ایسے ہی دلفریب قدرتی باغ میں واقع ہو۔ خدا جانے کیا بات ہو کہ آج زینب کے مکان پر غیر معمولی رونق ہے سورج ہر روز نکلتا تھا اور ہر روز اس کی سنہری کرنیں زینب کے مکان پر پڑتی تھیں۔ مگر کیا سبب ہو کہ آج در و دیوار سے خوشنمائی ٹپکتی ہے۔ کل تک تو اس گھر پر تباہی اور بربادی کی نظریں پڑتی رہی تھیں۔ دن دن بھر کسی کی آواز تک مارے خوف کے چار دیواری سے باہر نہ نکلتی تھی۔ آج ہی صبح کئی عورتوں کے بولنے کی آواز آرہی ہو۔ دیکھنا چاہیے کہ کیا اسرار ہو۔
زینب جیسی دل کی اُجلی تھی۔ ویسی ہی طبیعت کی بھی ستھری تھی مکان گو بہت مختصر ہے۔ ایک چھوٹا سا دروازہ بڑا سا صحن مختصر سا دالان اور تین معمولی کمرے۔ مگر زینب مکان کو ہمیشہ صاف ستھرا رکھنے کی عادی ہے۔ کیا مجال گرد کا ایک ذرہ دیوار پر رہ جائے یا ایک تنکا زمین پر۔ کھانے پکانے کے برتن دیکھیے تو دھلے دھلائے سلیقے سے چنے ہوئے۔ یہ نہیں کہ ایک رکابی صحن میں پڑی ہو تو ایک پیالہ دالان میں منہ کے بل اوندھا پڑا بیوی کو کوس رہا ہے۔ زینب گو فقیر کو بیاہی گئی تھی مگر تھی امیر گھر کی کوئی صاحب زینب کے شوہر کے بڑے معتقد تھے۔ اظہار خلوص میں بیٹی بیاہ دی۔
زینب امیرانہ ٹھاٹ سے بخوبی واقف تھی اور کیوں نہ ہوتی۔ ماں باپ کے گھر سب ہی کچھ خدا کا دیا موجود تھا۔ مگر حسن شاہ مرحوم نے زینب کے شوہر

تھے ضرور ولی اللہ۔ زینب پر شوہر کی صاحب ولی کا ایسا اثر پڑا کہ دنیا
اور اس کی نعمتیں بالکل دل سے اتر گئیں۔ فقر و فاقہ مستی میں ایسا مزا
آیا کہ دولت اور اس کے تکلفات نظروں سے گر گئے۔ یہی وجہ تھی کہ شوہر
کے انتقال کے بعد بھی زینب نے جنگل کا رہنا ترک نہ کیا۔ ماں باپ نے
بہت بلایا مگر زینب کو جنگل کی ایسی ہوا سمائی کہ کسی طرح آبادی میں رہنا
قبول نہ کیا۔ حسن شاہ مرحوم کی قبر مکان کے دروازے سے ہٹ کر
کچھ فاصلے پر بنی ہوئی ہے چھوٹی چھوٹی خوشنما جھاڑیاں قبر کو آغوش
میں لیے ہوئے ہیں ایک برگد کا گنجان درخت قبر پر شامیانے کا کام دیتا ہے
حسن شاہ مرحوم [illegible] سدھارے کئی برس گذر چکے تھے مگر [illegible]ی
محبت زینب کا [illegible] یہی ہوتا تھا کہ قبر پر آکر ایک
سیپارہ ہر روز صبح کو پڑھ [illegible] شوہر کی روح کو بخشدیا۔ [illegible]
بلقیس اور ثریا بیگم کے آنے سے زینب کو بہت کام کاج کرنا پڑتا تھا بڑھاپے
کے ڈر سے [illegible] نکلتی تھی مگر زینب کے معمول میں فرق نہ آیا حقیقت یہ
زینب بڑی نیک بخت عورت تھی۔ اس وقت سورج ایک [illegible] بلند ہو چکا ہے
صحن [illegible] دھوپ کا فرش بچھا ہے بلقیس اور ثریا بیگم ایک پلنگ پر
[illegible] بیٹھی ہوئی ہیں۔ جمیلہ بلقیس کی گود میں مسکرا مسکرا کر کبھی بلقیس کے
گلے کے خوشنما جگنو کو پکڑتی تھی کبھی اپنا خوبصورت [illegible] بلقیس کے
متحرک ہونٹوں پر رکھ دیتی تھی۔

کیسی بھولی بچی تھی جمیلہ۔ بلقیس اور ثریا بیگم جمیلہ کو بار بار پیار کی نظروں سے

دیکھتی تھیں۔ مدت کے بعد آج بلقیس کا چہرہ بشاش نظر آتا تھا جمیلہ کو دیکھ دیکھ نہال ہوئی جاتی تھی شخص ایک بچہ کی موجودگی سے تمام گھر میں غیر معمولی چہل پہل معلوم ہوتی تھی۔ بچوں ہی سے گھر کی رونق ہے۔ جمیلہ کی صورت ہی غضب کی دلفریب تھی۔ جو دیکھتا تھا خوش ہو جاتا تھا۔ جیسا خوبصورت چہرہ جمیلہ کا تھا ایسا گلاب کا پھول بھی خوبصورت نہیں ہو سکتا۔ ابھی غریب کی عمر ہی کیا تھی برس سوا برس کی جان تھی۔ مگر وہ تو ماں کے پیٹ ہی سے خوبصورتی کا زیور پہنے ہوئے آئی تھی۔ رنگ انار کے دانہ جیسا۔ بڑی بڑی سیاہ آنکھیں دل میں گڑی جاتی تھیں۔

آہ۔ غریب بیکس خوبصورت لڑکی ان آنکھوں کو تیری کم نصیب مرحومہ ماں نے فرط محبت سے خدا جانے کتنی بار چوما ہوگا۔

تیرے خوبصورت ننھے ننھے سرخ ہونٹ جن پر معصومیت اور بھولا پن برستا ہے ماں کے ساتھ دو دو گھڑیں کیا کچھ مسیحائی کرتے ہونگے۔ تیرے موتی جیسے چمکدار دانت جن پر ہنستے وقت سورج کی کرنیں دوڑ دوڑ کر نثار ہوتی ہیں ماں کے رنج و غم میں بجلی بنکر چمکتے ہونگے۔ ہائے ایسی پیاری بچی۔ آغوش مادر ہی کو ترسے۔ ہائے ایسی پھول سی لڑکی فاطمہ کے ساتھ جنگل میں ماری ماری پھرے۔ جمیلہ خوبصورت جمیلہ تیرا گھر دلوں میں ہے تو پتلی کی طرح آنکھوں میں رہنے کے قابل ہے۔

آج بلقیس اور ثریا بیگم کیسی خوش ہیں معلوم ہوتا ہے کہ خزانہ ہاتھ آگیا ہے۔ بچہ کو رحمت کا فرشتہ کہو تو درست ہے۔ راحت کے خزانے کی

کبھی سمجھو تو بجا ہے۔ بچے کی ادھوری باتیں رنج و غم میں کسقدر فصیح زبان میں تسکین دیتی ہیں۔

نہ جانے بچوں میں کیا مقناطیسی قوت ہے جو ہر خورد و کلاں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ کیا اثر ہے کہ بڈھے جوان سب یکساں متاثر ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے سنجیدہ لوگ بچے کے سامنے اپنی تمام سنجیدگی بھول جاتے ہیں اور خود بھی بچہ بنکر اسی کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔

کون ہے جو کہتا ہے کہ بچپن جا کر واپس نہیں آتا۔ بچوں سے باتیں کرو اور اپنے بچپن کی سیر کر لو۔

بچے کی موجودگی بلاشبہ خیر و برکت کا باعث ہے۔ بچے پاس ہوں تو کیا مجال کہ برے خیالات دل میں آ سکیں۔ ایک دلق پوش کامل ولی اللہ کے پاس بیٹھو اور پھر ایک بچے کے پاس بیٹھکر دیکھو۔ پھر دیکھو کہ دل کس کی موجودگی میں خالق کی طرف زیادہ رجوع ہوتا ہے۔ کس کی موجودگی میں دل میں زیادہ نشاط زیادہ کیفیت زیادہ فرحت معلوم ہوتی ہے۔

جمیلہ کی موجودگی نے اگر بلقیس اور ثریا بیگم کا رنج و غم دور کر دیا تو تعجب کی بات نہیں۔ اس کے معصوم روشن چہرے نے اگر زینب کے تاریک گھر کو منور کر دیا تو کوئی بڑی بات نہیں۔ ماں کے دل سے پوچھو جسکو محض نور نظر کی بدولت تمام جہان روشن دکھائی دیتا ہے۔ جسکو جگر گوشہ کی عدم موجودگی سے تمام دنیا تاریک معلوم ہوتی ہے۔

کیا جمیلہ اپنی ماں کی آنکھ کا تارا نہ تھی۔ کیا یہ فرشتہ جمال بچی جو بلقیس

اسکی گود میں بچی کھیل رہی ہے اپنی بدنصیب ہمیشہ کے لیے بچھڑی ہوئی ماں کی روح رواں تھی۔

خوبصورت جمیلہ خدا تجھے نظر بد سے محفوظ رکھے۔ آمین

یہ بیان کرنا طوالت سے خالی نہیں کہ کس طرح بلقیس نے فاطمہ سے جمیلہ کو لے لیا۔ فاطمہ کبھی رضامند نہ ہوتی اس کو چار ہی دن میں جمیلہ سے غیر معمولی محبت پیدا ہوگئی تھی فاطمہ عہد کر چکی تھی کہ اس کو اپنے سے جدا نہ کریگی اور بیشک فاطمہ کا عہد جان کے ساتھ تھا مگر کیا کرتی چونکہ شریف تھی آنکھ میں مروت تھی۔ بلقیس اور ثریا بیگم نے ایسا اصرار کیا کہ فاطمہ انکار نہ کر سکی۔ زینب کی زبانی معلوم کر چکی تھی کہ ثریا بیگم اور بلقیس شریف اور امیر عورتیں ہیں علاوہ ازیں اپنی غربت پر خیال کرتی تھی لڑکی کی بے مثال خوبصورتی پکار پکار کر کہہ رہی تھی کہ وہ عیش و آرام میں بسر کرے گی۔ ثریا بیگم اور بلقیس کی لجاجت نہ دیکھ سکی۔ جمیلہ کو گلے لپٹا کر پیار کیا اور بلقیس کی گود میں یہ کہتے ہوئے دیدیا۔

فاطمہ:- بلقیس بیگم لیجیے یہ امانت میں آپ کے سپرد کرتی ہوں اسکے گلے میں ایک تعویذ ہے اس کی حفاظت کرنا۔

اس وقت میرا دل میرے اختیار میں نہیں ہے میں زیادہ کچھ نہیں کہتی رات سب کچھ اس بچی کے متعلق آپ لوگوں سے کہہ چکی ہوں۔ جمیلہ میرا رکھا ہوا نام ہے۔ آپ اسی نام کو قائم رکھیں تاکہ غریب فاطمہ بھی آپ کو اس نام کیساتھ

یاد آجایا کرے۔ میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتی ہوں کہ مجھکو
جمیلہ ایسی ہی پیاری ہے جیسی میری اپنی بچی زبیدہ۔ مگر
کیا کروں آپ کے اصرار سے مجبور ہوں۔ لیجیے اور خدا کا شکر
کیجیے چراغ لیکر ڈھونڈیے گا اور ایسی خوبصورت بچی آپ کو
دنیا کے پردے پر نہ ملے گی۔ میں اب یہاں زیادہ نہ ٹھہرونگی
میرا دل مجھکو ملامت کر رہا ہے کہ غربت اور دشت نوردی سے
خائف ہو کر میں نے اپنا عہد توڑ دیا۔ یہاں زیادہ دیر
ٹھہرونگی تو میری نیت بدل جائے گی۔ میں اب مظفر نگر
جاؤنگی اور اگر زندہ رہی تو کبھی نہ کبھی آپ سے ضرور ملونگی
پیاری بچی خدا تیرا نگہبان۔ تجھپر سات پیروں کا سایہ۔
مجھے تیری خوشی دیکھنا نصیب ہو۔ فاطمہ کر جواب مجھے کیا
عجب کہ ہمیشہ کے لیے جدا ہوتی ہو۔ فاطمہ جس ......"

فاطمہ کی آواز اچانک بھاری ہو گئی۔ فاطمہ جمیلہ کو پیار کرنے
کے لیے جھکی۔ جمیلہ کو جو اب بلقیس کی گود میں لیٹی ہوئی تھی
جسنے خدا جانے کیا سمجھکر اپنا ننھا سا گورا گورا ہاتھ اوپر
کو اٹھایا اور اپنی ننھی سی ہتھیلی پھیلا کر فاطمہ کے ہونٹوں سے
ملا دی۔ فاطمہ نے ہاتھ چوم لیا۔ اور دو بڑے بڑے آبدار
موتی جو دریا دلوں کی آنکھوں کی صدف میں پیدا ہوتے
ہیں جمیلہ کے سر پر سے تصدق کیے۔ [illegible]

تو اسکے رخساروں پر نمی کے دو خط معلوم ہوتے تھے۔
فاطمہ ہر ایک سے گلے مل مل کر رخصت ہوئی۔ دروازے تک جاتے جاتے تین دفعہ مڑ مڑ کر جمیلہ کو دیکھا اور اس کی رفتار ہر مرتبہ سست ہو گئی۔ جمیلہ دروازے کی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھ رہی تھی۔ جمیلہ کا ننھا سا دل محبت سے ناواقف تھا۔
بلقیس نے جُھک کر جمیلہ کا مُنہ چوم لیا اور اُس نے مسکرا کر اپنی خوبصورت آنکھیں شکریہ میں بلقیس کے چہرے پر جما دیں۔
ثریا بیگم "بلقیس جمیلہ کیسی سمجھدار ہے۔ محبت کی نظریں پہچانتی ہے خدا تمھاری ان نظروں کو ہمیشگی کا خلعت بخشے"
بلقیس "اماں جان۔ میں ہمیشہ جمیلہ سے اسیطرح محبت کرونگی۔ خدا نہ کرے کہ بلقیس جمیلہ سے طوطا چشمی کرے"
ثریا بیگم "بلقیس تم ناسمجھ ہو۔ سوچ کر بات کہا کرو۔ جب تمھارے اولاد ہو جائے گی تو غریب جمیلہ کو نظر بھر کر بھی نہ دیکھو گی"
بلقیس "دیکھ لیجیے گا"
ثریا بیگم "میں سب جانتی ہوں۔ دیکھا بھالا ہے۔ لیکن اگر خدانخواستہ ایسی صورت پیش آئے تو جمیلہ میری بیٹی ہے تمھارا اس پر پھر کوئی حق نہ رہے گا"
بلقیس "بہتر۔ منظور ہے"
بلقیس نے پھر جھک کر جمیلہ کو پیار کیا جمیلہ نے اپنی آنکھیں

ثریا بیگم کیطرف پھیریں اُس کے ہونٹوں میں خفیف حرکت تھی ہونٹوں کے ہلنے میں نہ معلوم کیا بات تھی ۔ کہ بلقیس کا چہرہ سست ہوگیا ۔ اور ثریا بیگم کو پھر کر دیکھا ۔

تمام دن بلقیس جمیلہ کے کام کاج میں مشغول رہی ۔ کبھی جلدی جلدی کپڑے سی کر پہنائے ۔ کبھی گھونگر والے ریشمی بالوں کو سنوارا ۔ کبھی گود میں لیکر صحن میں ٹہلی ۔ کبھی برابر میں لیکر پلنگ پر لیٹ رہی ۔ اس ننھی سی جان نے بلقیس کی زندگی میں تغیر پیدا کر دیا ۔ جمشید کا انتظار آج بھی تھا مگر وہ انتشار نہ تھا ۔ لپنے پیارے شوہر کے خط کی وہ آج بھی منتظر تھی مگر طبیعت میں وہ بیقراری نہ تھی ۔ دن چٹکیوں میں کٹ گیا شام ہوئی اور کووں کی فوج نے جنگل میں درختوں پر بسیرا لیا ۔ سورج زریں کرنوں کی پوٹ باندھکر زردیدہ نگاہوں سے دیکھتا ہوا دبے پیر مغرب میں جا چھپا ۔ آسمانی زریں طباق کے گم ہوتے ہی ملکہ شب سیاہ چادر اوڑھ کر مغرب سے اُٹھی اور چور کی تلاش میں دوڑتی ہوئی پورب سے چھم نکل گئی ۔

ستاروں نے آسمان پر نکل نکل کر جمیلہ کے خوبصورت چہرے کو گھورنا شروع کیا ۔ مگر واہ رہی خوبصورتی ستارے دیدے پھاڑ پھاڑ کر پیاری جمیلہ کو دیکھنا چاہتے تھے

مگر سب کی بلکیں جھپکی جاتی تھیں کیوں نہ ہو انسان اشرف المخلوقات ہے۔ فرشتوں نے اسی کو سجدہ کیا ہو۔

جمیلہ کا حسن آسمانی حسن تھا۔ بلکہ زیادہ۔

تھوڑی دیر میں جمیلہ جو بلقیس کے پاس لیٹی تھی ستاروں سے باتیں کرتے کرتے سو گئی۔

اور بلقیس نے جمشید کے انتظار میں تارے گننا شروع کیے ثریا بیگم اور زینب نماز و وظیفہ سے فارغ ہو کر غافل سو گئیں مگر بلقیس کو نیند نہ آئی۔

آج بھی مکان میں اندھیرا تھا۔ آج بھی ڈراونی رات تھی مگر جمیلہ کے پاس ہونے سے بلقیس کو اگلا سا ہراس نہ تھا۔ بچے کی عورت کو بڑی ڈھارس ہوتی ہے۔ بچوں کے ساتھ فرشتوں کی فوج سوتے جاگتے لگی رہتی ہے۔ پھر بلقیس کیوں ڈرتی اندھیرے سے بلقیس کیوں گھبراتی۔ جمیلہ گوہر شب چراغ سے کم نہ تھی۔ سارا مکان جمیلہ کے دم سے جگمگا رہا تھا۔ مٹی کا تیل تو تمام مکان کو روشن کر سکے؟ اور انسانی زندگی کا چراغ روشن نہیں کر سکتا؟ یہ عقل کی نارسائی ہو۔ اولاد کو گھر کا اُجالا کہنا بالکل مبالغہ نہیں۔

بلقیس لیٹے لیٹے ستاروں کو دیکھتی تھی اور حیرت میں غرق ہو جاتی تھی کہ خدایا اتنی اونچائی پر اتنے چراغ کس طرح

معلق ہیں۔ کیسے روشن چراغ ہیں جن کی روشنی زمین پر
پہنچکر گم کردہ راہ کی جنگل میں ہدایت کرتی ہے۔ جہازوں
کو سمندروں میں خوفناک برباد کن چٹانوں سے بچاتی ہے۔
سوچتے سوچتے بلقیس کے خیال نے زیادہ وسعت حاصل کی
اور اس نے دل میں کہا کہ خدایا ان ستاروں اور ان سیاروں
کی مختلف چالوں میں تونے کیا بھید رکھا ہے کیا انسان
کی تقدیر کو آسمان کے ستاروں سے کچھ تعلق ہو سکتا ہے۔
اور اگر ہے تو کیا تمام ہندوستان کے آدمیوں کا ایک ہی
ستارہ ہے جو آجکل گردش میں آگیا ہے۔

بلقیس کے خیالات کا سلسلہ یہیں تک پہنچا تھا کہ کسی نے دروازہ
کھٹکھٹایا۔ بلقیس چونک پڑی۔ دل بلیوں اُچھلنے لگا۔ بے تحاشا
دروازے کی طرف دوڑی۔ صحن طے کرنا دوبھر ہو گیا۔ بلقیس کا
دل دھڑک رہا تھا۔ وہ اسیطرح ایک مرتبہ مایوس ہو چکی تھی۔
بلقیس نے بدقت دروازہ کھولا۔

بلقیس "جمشید۔ میرا پیارا شوہر ملا"

"ہاں ملا" کی آواز سنائی دی اور ایک سپاہیانہ وضع کا
شخص جسکے نقش و نگار بوجہ رات کی تاریکی کے صاف طور
سے معلوم نہ ہوتے تھے۔ پروانے کی طرح بلقیس پر گرا...... یہ
سلیمان تھا۔

بلقیس کی مسرت کا اندازہ کون کرسکتا ہو۔ اس غیر مترقب خوشی
نے اس کو بے خود کر دیا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر زبان یاری
نہ کرتی تھی وہاں زبان سے کہنے کی کیا ضرورت تھی بلقیس
کے دل کی دھڑکن نے چپکے چپکے سلیمان سے سب کچھ
کہہ سن لیا محبت کسی چیز کی محتاج نہیں۔ نہ زبان کی
نہ الفاظ کی

محبت میں زبان بہت ناقص آلہ ہے۔ اس سے تو آنکھ بدرجہا
بہتر ہے جو ذرا دیر میں اپنے مقررہ اشاروں میں ایسے ایسے
دقیق مضمون محبت کے کہہ ڈالتی ہے جو زبان سے ہزار برس
کی کوشش میں ادا نہیں ہو سکتے۔

تھوڑی دیر سلیمان اور بلقیس دروازے پہ کھڑے رہے مگر دونوں
کی زبانیں اپنی کم بضاعتی کے سبب شرمندگی سے دانتوں کی
آڑ پکڑے ہوئے سرنگوں تھیں۔ وہاں نہ زبان کی ضرورت
نہ کان کی دل بولتا تھا اور دل ہی سنتا تھا۔

ثریا بیگم اپنے پیارے بیٹے سلیمان کے خیال میں سو گئی تھی خواب
میں بھی وہی خیالات موجود تھے۔ اس نے دیکھا کہ انگریزوں
میں اور بہادر شاہ کے سپاہیوں میں گھمسان لڑائی
ہو رہی ہے۔ ثریا بیگم نے اپنے بیٹے سلیمان کو بھی اس
لڑائی میں جان توڑ کر لڑتے دیکھا۔ دیکھتے دیکھتے ایسا معلوم ہوا

کہ کسی گورے نے پیچھے سے سلیمان پر تلوار کا وار کیا۔ تلوار سر پر پڑی اور کاسہ سر کاٹتی ہوئی گردن میں در آئی سلیمان تیورا کر گھوڑے سے گرا۔ ثریا بیگم کی نظروں میں جہان تاریک ہو گیا اور چیختی ہوئی سلیمان کی طرف دوڑی۔

ثریا بیگم "میرے پیارے بچے۔ میری آنکھوں کے تارے ......"

ثریا بیگم یہ خواب پریشان دیکھکر چونک پڑی اور گھبرا کر یہ کہتی ہوئی "میرے پیارے بچے۔ میری آنکھوں کے تارے" اُٹھ بیٹھی اور ہاتھ پھیلا دیئے۔

سلیمان "پیاری اماجان" کہکر ثریا بیگم سے لپٹ گیا ثریا بیگم نے آنکھیں کھولیں تو سلیمان کو اسطرح اپنے سے لپٹے ہوئے دیکھکر حیران ہو گئی۔ بہت دیر تک بیچاری کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا اسرار ہے۔ ابھی نصیب دشمناں سلیمان کو زخمی ہو کر گھوڑے سے گرتا دیکھ چکی تھی۔ ابھی سلیمان کو اپنے پاس تندرست دیکھ رہی تھی۔ ثریا بیگم نے سلیمان کو زور سے کلیجے سے چمٹا لیا اور دیر تک لمبی لمبی سانس لیتی رہی۔

یا خدا محبت کا ذخار سمندر ماں کے شیشۂ دل میں کیونکر سمایا!

سلیمان کی پشت اور ثریا بیگم کا سینہ آنسوؤں سے تر ہو گیا بڑی دیر بعد سلیمان نے آہستہ سے سر اُٹھایا اور ماں کی گردن میں ہاتھ ڈالدیئے۔

سلیمان۔ پیاری اماں جان صبر کیجیے۔ اب نہ روئیے۔ ہائے افسوس اباجان آپ کہاں چلے گئے۔ ہائے ستم سلیمان۔ بدنصیب سلیمان اپنے پیارے اباجان کی آخیر وقت زیارت نہ کرسکا۔ اے کاش باغیوں کو معلوم ہوجاتا وہ سلیمان کے باپ پر ہاتھ نہ اٹھاتے۔ اماں جان صبر کیجیے۔ رونا دھونا بیکار ہے۔ نوشتہ تقدیر کیسے مٹائے نہیں مٹ سکتا۔

دیر تک ثریا بیگم اور سلیمان روتے رہے۔ آنکھیں اشک آلود تھیں۔ شہر کے آنے کی خوشی ثریا بیگم کی آہ و بکا اور سلیمان کی گریہ و زاری نے خاک میں ملا دی ثریا بیگم بار بار سلیمان کو کلیجے سے لگاتی تھی اور بیقرار ہو جاتی تھی۔ غرضیکہ ماں بیٹے بہت دیر تک باتیں کرتے رہے۔ بچھڑا بیٹا عرصے کے بعد اپنی غمزدہ ماں سے ملا تھا۔ ہزاروں سوال تھے ہزاروں جواب تھے۔ سلیمان نے اپنی سرگذشت سنائی دہلی کی خوفناک حالت بیان کی۔ اپنی پریشانی اور آوارہ گردی کی داستان سنائی۔ ثریا بیگم نے جو کچھ گذرا تھا بالکم و کاست کہہ سنایا۔ رات زیادہ آگئی تھی سب نے آرام کیا۔ بلقیس آج مدت کے بعد اطمینان سے سوئی۔

صبح کو زینب نے سلیمان کو دیکھا اور بلائیں لیکر دعائیں دیں سلیمان نے زینب کا بڑے جوش و خروش سے شکریہ ادا کیا۔ کہ اسنے ایسے آڑے وقت میں اسکی غمنصیب ماں اور مصیبت زدہ

ہوی کو ہر طرح کا آرام پہنچایا۔

زینب شکریے کی محتاج نہ تھی۔ مگر اس نے سلیمان کی خوشی کی خوشی نہ کی جو کچھ سلیمان نے کہا زینب نے خاموشی سے سُنا۔ اور کچھ نہ بولی

دوران گفتگو میں جمیلہ کا ذکر آیا۔ جمیلہ ابھی تک سو کر نہ اٹھی تھی۔ جب جاگی تو بلقیس نے سلیمان کی گود میں دیدیا سلیمان نے جمیلہ کو دیکھا اور خدا کی صنعت پر حیران ہو گیا کل قصہ سُن چکا تھا۔ بلقیس سے کہا۔

سلیمان "بلقیس بیگم جمیلہ کو خدا نے بطور انعام تمکو دیا ہے۔ اس کو امانت جانکر اپنی جان کے برابر رکھو"

بلقیس "میں جمیلہ کو غیر کا بچہ نہیں سمجھتی۔ جمیلہ کے آتے ہی ہم سے مصیبت دور ہو گئی۔ میں نے جمیلہ کو پناہ دی اور خدا نے مجھے انعام دیا مجھے انتظار میں کیسی بیکلی تھی" بلقیس نے شرما کر سر جھکا لیا۔

سلیمان "ہاں بیشک تم اپنے خط کے جواب کی منتظر ہو گی اور بڑی بے چینی سے جمشید کی واپسی کی راہ دیکھ رہی ہو گی۔ مگر سچ کہنا میرا تو تمکو وہم و گمان بھی نہ ہو گا۔ ایسی بغاوت اور سفر کرنا پھر وہ بھی سیر کھُڑکے راستوں میں بہت خطرناک ہو مگر میں نے جب سُنا کہ تم زینب کے یہاں ہو پھر کیا رُک سکتا۔ تم ایسی چیز نہیں ہو۔ تمھیں ایک نظر دیکھنے کے لیے ایک کیا ہزار جانیں سلیمان خوشی سے ملک الموت کے سپرد کر سکتا ہے"

بلقیس جمیلہ کے ہاتھ کی سونے کی چوڑیاں گن رہی تھی۔

بلقیس "مگر ہاں یہ تو بتاؤ کہ آپ کیوں بغاوت میں شریک ہو گئے جب لوگ آپ کا نام بغاوت کے ساتھ لیتے ہیں تو مجھے بڑا رنج ہوتا ہے"

سلیمان "تم اپنے نازک دل کو ان باتوں سے پریشان نہ کرو میں نے وہی کیا جو ایک شریف کو اپنے آقا کی بربادی کے وقت کرنا چاہیے۔ سلیمان احسان فراموش نہیں"

بلقیس "یہ سچ ہے مگر انجام باغیوں کے حق میں برا ہے۔"

سلیمان "ہاں باغیوں کے حق میں۔ شکر ہے کہ میں باغی نہیں ہوں خواہ وہ لوگ کچھ ہی کہیں۔ خدا پر خوب روشن ہے۔ سلیمان خدا پر بھروسہ رکھتا ہے۔ اُس کے آغاز اور انجام کا وہی مالک ہے۔"

بلقیس "آپ جمیلہ کو دیکھتے ہی محبت کرنے لگے ہونگے۔ کیوں؟ عجب طرح کی بچی ہے جو دیکھتا ہے پہلی ہی نظر میں اسی کا ہو رہتا ہے۔ بیچاری کیسی چھوٹی عمر سے ماں باپ کی دنیا میں رہگئی۔"

سلیمان "واقعی جمیلہ کی صورت بہت دلکش ہے۔ مجھے اب اُس سے ایسی ہی محبت ہے جیسی ایک باپ کو اپنی بیٹی کی ہو سکتی ہے"

بلقیس۔ (شرماکر) "مجھے بھی ایسی ہی ہے"

سلیمان۔ "اگر یہ بات ہے تو آؤ ہم تم ملکر عہد کریں کہ جمیلہ کو جبتک زندہ ہیں مثل اپنے خاص بچے کے پرورش کرینگے"

سلیمان اور بلقیس نے اپنے اپنے ہاتھ جمیلہ کے خوبصورت سر پر رکھدیے اور عہد کیا۔

یہ عہد فرشتوں نے آسمان پر سُنا۔

جمیلہ نے مسکرا کر ایک ہاتھ سلیمان کے ہاتھ پر اور ایک ہاتھ بلقیس کے ہاتھ پر رکھدیا۔

سلیمان اگلے روز راتوں رات لوٹ گیا بلقیس نے پوچھا بھی کہ کہاں کا ارادہ ہے مگر سلیمان نے ٹال دیا اور کہا کہ میں ابھی خود نہیں جانتا۔ کس مشکل سے تقدیر سیدھی ہوئی تھی۔ بلقیس نے کیسی کیسی دقتوں سے انتظار کی گھڑیاں بسر کی تھیں۔ مگر افسوس کہ فلک کو بے چاری کی دو گھڑی کی راحت بھی خوش نہ آئی سلیمان جانے کی تیاری کر رہا تھا اور بلقیس کے دل پر چھریاں چل رہی تھیں۔ کچھ بولتی نہ تھی چپ تھی مگر غضب کا سکوت تھا۔ خاموش تھی لیکن قیامت کی خاموشی تھی۔

سلیمان نے چلتے وقت بلقیس پر نظر ڈالی اور بلقیس نے سلیمان پر نگاہیں...... اور بس

سلیمان زینب اور ماں کی دعاؤں کی گٹھری کندھے پر رکھکر رات کی بھیانک تاریکی میں جنگل میں غائب ہو گیا۔

بلقیس نے مکان کا دروازہ بند کیا۔ زنجیر لگائی۔ زنجیر لکڑی سے کئی بار ٹکرائی بلقیس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ سلیمان چلا گیا۔

بلقیس کو یقین نہ آتا تھا کہ سلیمان کبھی آیا بھی تھا۔ یہ بلقیس کی غلطی تھی۔ دنیا میں خوشی کی گھڑیاں دیرپا نہیں۔ غم کو تو کسقدر قیام ہے مگر طایر نشاط بہت سبک بازو ہے۔

پھر وہی زینب کا مکان تھا اور جنگل۔ وہی بلقیس تھی اور وہی شوہر کی یاد مگر اب بلقیس پیشتر کی طرح ہر وقت ملول نہ رہتی تھی۔ اور اگر رہتی بھی تو جمیلہ ہنس ہنس کر رنج و غم دور کر دیتی۔ ثریا بیگم پر سلیمان کے چلے جانے کا بہت اثر ہوا۔ بہو کے خیال سے دل کھولکر رو تو سکتی نہ تھی گھٹ گھٹ کر ٹھنڈی سانسیں بھرتی تھی۔ اور دل کو سنبھال کر جمیلہ کو گود میں لیکر بیٹھ جاتی تھی۔ سلیمان چلا گیا اور دو غمزدہ دلوں کو کڑھنے کے لیے چھوڑ گیا۔

باب چہارم

۱۸۵۷ء گزر کر ۱۸۵۸ء شروع ہو گیا مگر بغاوت کی آگ سرد نہ ہوئی۔
جس طرح اچانک یہ آگ بھڑک اٹھی تھی اس طرح اک دم بجھ نہ سکی۔ رعایا
کی عبرت کے لیے باغیوں کی لاشیں جا بجا درختوں میں لٹکتی نظر آتی تھیں
سنسان میدانوں میں باغیوں کی لاشیں زبان حال سے دنیا کی بے ثباتی
کی داستانیں سناتی تھیں۔ اس خوفناک بغاوت میں موت کی مختلف
شکلیں جا بجا دکھائی دیتی تھیں۔

بڑے بڑے مغروروں کے سر ٹھوکریں کھا کر پہروں اپنی بے کسی اور بے بسی
پر پھوٹ پھوٹ کر روتے تھے۔

بازاروں میں خاک اڑ رہی تھی۔ دور دور آدمی کا نشان نہ ملتا تھا۔
مکانات کے دروازے باقی تھے نہ حویلیوں کے پھاٹک۔ جا بجا انسانوں کے
تودے لگے ہوئے تھے۔ مکانات اس طرح خاک میں مل گئے تھے کہ جنکو
دیکھ کر بربادی ہول کھاتی تھی۔ خدایا کیسا برا وقت تھا........
کہیں کہیں انسانوں کے انبار میں کسی عزیز کی نعش کچھ آگ سے جلی ہوئی
کچھ مٹی سے چھپی ہوئی نظر آتی تھی۔ چاروں طرف وحشت برس رہی تھی۔
یہ تصویر کسی خاص آبادی یا خاص بستی کی نہیں عموماً ہر جگہ یہی نقشہ تھا

یہی بھیانک دل ہلانے والا منظر موجود تھا۔ آبادی کا ذکر فضول ہے
جہاں بغاوت کے بے رحم ہاتھ سب سے پہلے پہنچے تھے۔ جنگل تک بھی اس
بغاوت میں مجسم وحشت نظر آتے تھے۔ جگہ جگہ لاشیں یہاں بھی موجود
تھیں۔ مگر آہ یہ کس کی لاشیں تھیں۔ باغیوں کی تھیں۔ باغیوں کی
تھیں۔ یہ لاشیں خوف زدہ بے گناہ رعایا کی ہیں جو گھر چھوڑ چھوڑ کر جنگلوں میں
بھاگ آئے تھے۔ ان میں بچے بھی تھے معصوم بچے۔ عورتیں تھیں باعفت
عورتیں آہ! ان کو کس نے مارا؟ باغیوں نے نہیں ان کو بھوک نے
مارا۔ پیاس نے مارا۔ انکو خوف نے شکار کیا۔

کیا یہ سب مر گئے۔ کیا کوئی بھی زندہ نہیں جو اس مصیبت کی کہانی لوگوں
کو سنائے۔ افسوس کوئی بھی زندہ نہیں۔ یا خدا رحم کر رحم۔ ہندوستان
کو تباہی سے بچالے۔

باغیوں کا زور ٹوٹ گیا۔ رعایا اپنے اپنے گھروں کو جنگل سے لوٹنے لگی
جو نواب تھے روٹیوں کو محتاج ہو گئے جو رئیس تھے کنگال ہو گئے۔
رفتہ رفتہ ملک میں امن امان قائم ہوا نئے سرے سے مکانات کی
تعمیر جاری ہوئی۔ باغیوں پر دنیا تنگ تھی۔ بھاگے بھاگے پھرتے تھے
جنگل پہاڑ دریا کوئی چیز ان کی روادار نہ تھی۔ ہر شجر و حجر سے دور
دور کی صدا آتی تھی۔

بے گناہوں کا خون رنگ لا رہا تھا ضمیر قدم قدم پر ملامت کرتا تھا دل
نفرت سے منہ چھپائے سینے میں بیٹھا تھا ضمیر کی ملامت سے خدا ہر ایک کو

بچ جائے۔ یہ وہ مار ہے جس میں آواز نہیں مگر جو انسان کو اندر ہی اندر گھلا دیتی ہے۔ باغیوں کو سزا دینا عبث تھا۔ اُن کا ضمیر ہر وقت سزا دینے پر تعینات تھا۔ سلیمان بھی مثل دوسروں کے جنگل کی خاک اُڑاتا پھرتا تھا نہ معلوم دل میں ایسا کیا خوف سما گیا تھا کہ آبادی کی طرف منہ نہ موڑتا تھا۔ سلیمان ماں کا سعادت مند بیٹا اور بیوی کا عاشق زار شوہر تھا مگر نہ معلوم کیا باعث تھا کہ اس کی طبیعت بار بار اس کو آبادی سے دور رہنے کی صلاح دیتی تھی۔ گیا زینب کا مکان آبادی سے دور تھا۔ تھا مگر سلیمان کو انگریزی علاقہ میں قدم رکھتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا تھا۔ عام معافی کا ڈنکا ملک میں بج چکا تھا مگر سلیمان کو یقین نہ آتا تھا سلیمان کا اس دشت پیمائی میں فقط ایک رفیق تھا۔ بہادر شاہ کی فوج میں یہ بھی ایک سپاہی تھا۔ سلیمان کا اپنے ہر ایک سپاہی کو جان کے برابر عزیز سمجھتا تھا اس کے رسالے کے کل سپاہی انگریزی فوج نے ملک عدم میں پہنچا دیئے صرف یہی ایک باقی رہ گیا تھا جس نے غربت میں سلیمان کا ساتھ نہ چھوڑا۔

احمد سلیمان کے ساتھی نے دو چار مرتبہ سلیمان سے کہا بھی کہ اب ملک بھر میں عام معافی کا اعلان ہو گیا ہے آپ اپنے بال بچوں میں چلیے مگر سلیمان نے ہر دفعہ یہ کہکر ٹال دیا کہ میں عام باغیوں میں نہیں ہوں مجھکو دیکھتے ہی انگریز اپنی معافی کو بالائے طاق رکھدیں گے۔

احمد نے پھر زیادہ زور دینا مناسب نہ سمجھا اور جہاں جہاں سلیمان گیا

سایہ کی طرح ساتھ لگا رہا۔

احمد کا دل کہتا تھا کہ سلیمان جیسے فرشتہ خصال آدمی پر یہ مصیبت ہمیشہ نہ رہے گی۔ اور بہت جلد آرام اور اطمینان کا زمانہ آنے لگا۔ مگر اس بربادی اور تباہی کی حالت میں سلیمان سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے ڈرتا تھا۔ سلیمان کو احمد کو بھائی کہکر مخاطب کرتا تھا۔ مگر احمد تھا شریف کہ کبھی اپنے اور سلیمان کے رتبے کو نہ بھولا ہمیشہ حضور اور سرکار سے بات کرتا تھا۔

سلیمان کے دلی خیالات کی تصویر کس کے قلم میں زور ہے کہ کھینچ سکے محبت بھرا دل ایسے وقت میں بہت پریشان کرتا ہے۔ گو ماں سے کوسوں دور تھا مگر ہر وقت ماں کی تصویر ماں کی زار حالت پیش نظر تھی۔ بلقیس کا ملول چہرہ بار بار سامنے آکر قدم ڈگمگا دیتا تھا۔ جمیلہ کا خوبصورت پیارا پیارا مکھڑا کبھی کبھی یاد کر دل میں چٹکیاں لیتا تھا۔ کیا چیز سلیمان کو دنیا میں سنبھالے ہوئے تھی۔ کیا چیز دنیا میں اس کو صحرا نوردی میں تسکین دیتی تھی۔ وہی امید۔ امید ہی تو تھا کہ جنگلوں ڈراونے پہاڑوں میں سلیمان کی ہمت بندھا رکھے ہوئے تھی۔ وہ کیا امید تھی۔ وہ ماں سے ملنے کی امید تھی بلقیس کو پھر دیکھنے کی امید تھی۔ اسے امید تو غمزدوں کی غمخوار ہے کمزور بھائیوں مریضوں کو صحت کی خوشخبری دیتی ہے۔ تو ماں کی مونس بیٹے کی رفیق ہے۔ تو شوہر کا سہارا بیوی کی غمگسار ہے۔ تو نہ ہو تو دنیا نہ ہو۔

تیرے سہارے فراق کی کٹھن گھڑیاں مزے میں کٹ جاتی ہیں۔ تیری مدد سے کمزور زخمی دل جدائی کے صدمے ہنس ہنس کر برداشت کرتا ہے۔ نہ معلوم تیری حکومت انسانوں کے دلپر کب سے ہے اور کب تک رہیگی اے امید مصیبت زدہ فلک کے ستائے نوجوان سلیمان کا غم بٹا۔ اس کی صحرانوردی میں دستگیری کر۔

سلیمان بڑی نیک بی بی کا بیٹا بڑی باعصمت خاتون کا شوہر ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تو اسکا ایسے وقت ساتھ چھوڑ دے۔ سلیمان مدت تک جنگلوں کی خاک اڑاتا پھرا۔ احمد رفیق تنہائی تھا۔ اکثر کئی کئی فاقوں کی نوبت آجاتی تھی مگر واہ رے احمد کہ سلیمان کا ساتھ نہ چھوڑا۔ دنیا میں ایسے رفیق کہاں ہیں جو اس طرح مصیبت میں ساتھ دیں۔ دوست احباب سب اقبال کے ساتھی ہیں ادھر اقبال سندی نے منہ موڑا اور تمام پشت دکھا جاتے ہیں۔ وہ لوگ بڑے صاحب ظرف ہیں جو دوستوں کے عروج وزوال میں یکساں شریک حال رہتے ہیں۔

سلیمان پھرتا پھراتا شہر بھوپال میں پہنچا۔ احمد کے تقاضے اور اپنی خانہ بدوش زندگی سے عاجز آکر محکمہ پولیس میں نوکری کرلی۔

بھوپال کی سرکار دریادل سرکار تھی اور شریف کی قدردان سلیمان نے گو اپنا نام تبدیل کر دیا تھا اور ہر طرح اپنی اصلیت چھپانے کی کوشش کرتا تھا مگر کہیں شریف صورت چھپائے چھپتی ہے۔ اس کے باریک سیاہ گھونگر والے بال۔ بلند کشادہ پیشانی۔ بڑی بڑی سیاہ آنکھیں

لمبی ستواں ناک پتلے پتلے نازک ہونٹ مل جل کر اس کی شرافت پر گواہی دیتے تھے۔ سلیمان دربار میں سلام کے لیے احمد کی کوشش سے سپاہی بنکر گیا کوتوال شہر بنکر لوٹا۔ خوبصورتی بھی عجیب نعمت ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے کسی کی سفارش کی ضرورت نہ مدد کی احتیاج۔ سلیمان نے چند ہی روز میں ہر کس و ناکس کے دل میں گھر کر لیا۔ اسکی نیک صفاتی و منصف مزاجی کا سکہ دلوں پر نقش ہو گیا۔ شہر کا ایسا معقول انتظام کیا کہ رعایا ہاتھ اٹھا اٹھا کر سلیمان کی ترقی اقبال کی دعا مانگتی تھی۔

ذاتی جوہر رنگ لائے بغیر نہیں رہتا۔ کوتوالی کی حالت میں سلیمان نے وہ وہ کارنمایاں کیے کہ لوگ دنگ رہ گئے۔ حیرت تھی کہ یہ عمر اور یہ شجاعت یہ سن اور یہ دلاوری۔ سالانہ فوجی کھیل کود میں وہ وہ کرتب دکھائے کہ تمام سوار اور پیادے بغلیں جھانکنے لگے۔

سلیمان کو یہاں ملازمت کرنے کے بعد پورا اطمینان ہو گیا کہ باغیوں کو معافی ہو گئی ہے مگر چونکہ بچپن سے ہندوستانی سرکار کا نمک خوار رہا تھا اس نے بھوپال کی ملازمت ترک نہ کی کچھ دنوں کے بعد اس نے احمد کو زینب کے مکان کے پتے پر روانہ کر دیا اور سمجھا دیا کہ جمشید کو ساتھ لیکر ثریا بیگم اور بلقیس وغیرہ کو لے آئے۔

سلیمان کا ستارۂ اقبال پھر چمکا۔ پھر وہی عیش تھا اور وہی آرام وہی دل تھا اور وہی آرزوئیں۔ مصیبت اور تکلیف رخصت ہوئی

اور خوشی ہنستی ہوئی خانہ دل میں آ بسی - شہر بھوپال میں سلیمان بڑی عزت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا - ایسا ہر دلعزیز کوتوال بھوپال نے کبھی دیکھا تھا اور نہ آیندہ دیکھنے کی امید - پولیس والوں سے تو رعایا اسطرح ڈرتی ہے جسطرح بھیڑئے سے بکریاں - پولیس کی نوکری اور ہر دلعزیزی - توبہ توبہ -

سلیمان کو اپنی ماں کی آمد کا انتظار تھا - بلقیس کی جدائی سے دل کسی کروٹ چین نہ لینے دیتا تھا -

بلقیس نے جب سلیمان سے کہا تھا کہ مجھکو انتظار میں بڑی تکلیف ہوئی تو سلیمان نے معمولی بات سمجھکر ہنسی میں اڑا دی تھی مگر اب جب خود انتظار کی ناقابل برداشت تکلیف میں مبتلا ہوا تو سمجھا کہ بلقیس کی شکایت بے معنی نہ تھی سلیمان کو بھی وہی بیقراری تھی جو بلقیس کو - وہی گھڑیوں کا گن گن کر کاٹنا وہی ستاروں سے رات رات بھر باتیں کرنا - وہی تڑپ وہی بیچینی وہی بھیانک شکلیں وہی بلقیس کے خیال میں صبح تک کروٹیں بدلنا - وہی بار بار سرد آہوں کا بھرنا -

دشت نوردی میں بھی سلیمان کو بلقیس کا خیال تھا مگر کیا سبب کہ اب حالت اطمینان میں اسکی یاد میں زیادہ بے چین تھا - دل کی باتیں دل ہی جانے نہ معلوم کیا اسرار ہے - اب نہ معلوم کیا سبب ہے کہ سلیمان زیادہ بیقرار ہے اسکو [illegible] نہ کر چکا ہے بلقیس بہت جلد

اپنے بچھڑے شوہر سے آملے گی۔ کیا عجب ہو کہ ریاست کی حد پار پہنچ چکی ہو۔ سلیمان صبر کر۔ صبر کا پھل میٹھا ہے۔

باب پنجم

سلیمان کی جدائی سے ثریا بیگم اور بلقیس کا بُرا حال تھا۔ وہی زینب کا مکان جسے انھوں نے مصیبت کے وقت گوشۂ عافیت سمجھا تھا۔ محض ایک شخص کے نہ ہونے سے قید خانہ معلوم ہوتا تھا۔ در و دیوار کاٹنے کو دوڑتے تھے۔

سلیمان کو گئے ہوئے ایک مہینے سے زیادہ گذر گیا۔ اس کی کوئی خبر سننے میں نہ آئی۔ سلیمان ثریا بیگم کا ایک ہی بیٹا تھا۔ ثریا بیگم نے بڑے لاڈ پیار سے پالا تھا۔ اس کی ایک ساعت کی جدائی ناگوار تھی۔ چہ جائیکہ پورا ایک مہینہ مفارقت میں گذر جائے۔ غریب مصیبت زدہ بیگم کو کسی طرح چین نہ آتا تھا۔ بلقیس کو بھی شوہر کی جدائی کا کم ملال نہ تھا۔ مگر وہ ثریا بیگم کی طرح نشیب و فراز سے واقف نہ تھی۔ ذرا سے سہارے سے اس کی ڈھارس بندھ جاتی تھی۔ جمیلہ کے شغل میں دن معلوم بھی نہ ہوتا تھا۔ پھر اسے ایک اور مسرت انگیز خیال تھا جس سے زیادہ عورت کے لیے کوئی خیال دل خوش کن نہیں۔

وہ بہت جلد ماں کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے والی تھی محض تصور سے ہی کہ وہ ایک بچے کی ماں بننے والی ہو اس کی باچھیں کھلی جاتی

تھیں ۔
جمیلہ کی آمد بلقیس کے لیے نئی نئی خوشیوں کا پروانہ تھی ۔ خدا نے
اس کو اسی لیے بھیجا تھا کہ وہ پیشتر سے ہی بچے کی پرورش سے واقف
ہو جائے ۔ وہ خدا سے دعا مانگتی تھی کہ اس کا اپنا بچہ بھی جمیلہ کا ہم
شکل ہو ۔
جمیلہ کو گود میں لیکر وہ ثریا بیگم سے کہتی ۔

بلقیس ۔ اماں جان ۔ دیکھئے (چشم بد دور) جمیلہ کس قدر خوبصورت
ہے ایسا خوبصورت بچہ شاید ہی کوئی ہوگا

ثریا بیگم (مسکراتے ہوئے) ہاں بیشک ۔ مگر تمہارا یہ خیال بہت
جلد بدلنے والا ہے ۔ اپنے بچے کی صورت دیکھتے ہی جمیلہ
کی خوبصورتی دل سے اتر جائے گی "

بلقیس ۔ (جمیلہ کو پیار کرتے ہوئے) "نہیں اماں جان ۔ خدا نہ کرے ۔
جمیلہ مجھے ایسی ہی پیاری رہے گی جیسی اب ہے ۔ کوئی چیز
جمیلہ کو میری آنکھوں میں بدنما نہیں کر سکتی "۔

ثریا بیگم "آمین خدا ایسا ہی کرے ۔ مگر تمہاری آنکھ خدانخواستہ
جمیلہ کیطرف سے بدلی اور پھر جمیلہ میری بچی ہو ۔ میں ایسی پیاری
بچی کو کسمپرسی کی حالت میں نہ چھوڑونگی "۔

ثریا بیگم کی پیشین گوئی بہت جلد صحیح ہوئی ۔ تھوڑے دن بعد خدا نے
ایک ننھی سی خوبصورت بچی سے بلقیس کی گود بھر دی جسے دیکھتے ہی

بلقیس سب کچھ بھول گئی۔ نہ جمیلہ کی پیاری صورت یاد رہی نہ اپنا عہد
آٹھ پہر اپنی ہی بچی کو کلیجے سے لگائے رہتی تھی۔ جمیلہ کو بلقیس سے محبت
ہو گئی تھی بار بار بلقیس کے پاس آکھڑی ہوتی اور نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھتی
مگر نہ معلوم اس ننھی سی جان نے بلقیس پر کیا جادو کر دیا تھا کہ وہ
جمیلہ کو دیکھتی اور اپنی بچی کی بلائیں لیتی۔ جمیلہ خاموش اس کی برابر
آکھڑی ہوتی اور بلقیس نگاہ بھر کر بھی نہ دیکھتی جمیلہ گو اپنے خیالات کا
اظہار نہ کر سکتی تھی مگر اس کی بڑی بڑی خوبصورت سیاہ آنکھیں اسکے دلی
انتشار کا پتہ دیتی تھیں جمیلہ کبھی بلقیس کو دیکھتی تھی کبھی حمیدہ کو گود کی بچی
پر نگاہ ڈالتی تھی اور کچھ نہ کہہ سکتی تھی۔ کبھی بلقیس کے پاس جاتی اور
مایوس سر جھکائے ثریا بیگم کے پاس آکھڑی ہوتی۔ ثریا بیگم [illegible]
دس پانچ دن یہ کیفیت دیکھتی رہی۔ وہ دیکھتی تھی اور کڑھ [illegible] تھی۔ آخر
جب جمیلہ کی مصیبت نہ دیکھی جا سکی تو اس نے بلقیس سے صاف کہدیا
کہ بی خدا نے اب تمہیں صاحب اولاد کیا ہے تمہارے اوپر جمیلہ کا حق اب
کچھ باقی نہیں۔ اپنی بچی کی محبت کا دم بھرو۔ محبت ایسی چیز نہیں
کہ بٹ سکے۔ جمیلہ میری بیٹی ہے۔ اس کی میں ہی محبت کروں گی۔
بلقیس نے شرم سے آنکھیں نیچی کر لیں۔ اپنا عہد یاد آیا اور اپنے لمبے
چوڑے دعوے ثریا بیگم نے ایسی میٹھی زبان میں ملامت کی کہ بلقیس
پر گھڑوں پانی پڑ گیا کچھ کہنا چاہتی تھی مگر شرم سے زبان نہ ہلتی تھی بڑی
دقت سے کہا تو یہ کہا۔

بلقیس "نہیں اماجان کیا جمیلہ مجھے بھاری ہی۔ میں تو حمیدہ اور جمیلہ میں فرق نہیں سمجھتی"

ثریا بیگم "ہاں یہ ٹھیک ہی تمھاری محبت میں فرق نہیں آیا مگر مناسب یہی معلوم ہوتا ہی کہ میرے لیے بھی کچھ شغل ہو۔ میرا غم بھی جمیلہ کے کام کاج میں غلط ہوگا"

بلقیس اور کچھ نہ بول سکی شرم سے سر جھکا لیا اور حمیدہ کو آہستہ سے اپنی گود سے پلنگ پر لٹا دیا۔

جمیلہ اس وقت ثریا بیگم کا بازو پکڑے کھڑی تھی کبھی بلقیس کے منہ کو تکتی تھی کبھی ثریا بیگم کے۔

بلقیس نے حمیدہ کو لٹایا اور جمیلہ نے جھک کر اپنے ننھے ننھے ہونٹوں سے حمیدہ کا منہ چوم لیا۔

ثریا بیگم نے بلقیس پر نگاہ ڈالی۔ بلقیس نے زمین پر۔

نہ معلوم جمیلہ کے حمیدہ کو پیار کرنے میں ایسی کیا بات تھی کہ بلقیس کی گردن جھکی کی جھکی رہگئی بچپن سے ہی جمیلہ کی باتیں موثر تھیں۔

جمیلہ اگر بڑی ہوتی اور بلقیس کو اس کی بے اتفاقی پر گھنٹوں ملامت کرتی تب بھی یہ اثر نہ ہوتا۔ یا خدا بچوں کی ناسمجھی کی باتیں کیسی پر معنی ہوتی ہیں۔

ثریا بیگم نے بلقیس کو شرمندہ دیکھکر زیادہ کہنا سننا مناسب

نہ جانا اور جمیلہ کو گود میں لیکر چپ چاپ اپنے کمرے میں چلی گئی۔
ثریا بیگم نے جمیلہ کو بڑی محبت سے پالا۔ ہر وقت اُس کے
آرام اور آسائش کی فکر میں لگی رہتی تھی۔ بلقیس حمیدہ
کے شغل میں اور ثریا بیگم جمیلہ کے دھیان میں دن بسر کرتی
تھیں۔ جمیلہ جوں جوں سیانی ہوتی جاتی تھی خوبصورتی اور
بھولے پن میں ترقی کرتی جاتی تھی۔
ثریا بیگم بڑی پڑھی لکھی عورت تھی۔ عربی فارسی میں پوری
پوری مہارت رکھتی تھی۔ بچپن میں سلیمان کو ثریا بیگم ہی نے
پڑھایا تھا۔ جمیلہ چار ساڑھے چار برس کی ہوئی تو اس کی
ابتدائی تعلیم کی فکر تھی۔
قدرت نے جہاں اور اور خوبیاں جمیلہ کو عطا کی تھیں وہاں
غیر معمولی ذکاوت اور ذہانت کا خلعت بھی ملا تھا۔
پڑھنا شروع کیا تو وہ ترقی چند ہی روز میں کی کہ سب متحیر تھے
پھر ثریا بیگم سا پڑھانے والا قصے کہانیوں کے پیرایے
میں ہزاروں کام کی باتیں یاد کرا دیں۔ کہانیوں کا بچوں کو
عموماً شوق ہوتا ہے۔ چڑے چڑیا کی کہانی تک بڑی دلچسپی
سے سنتے ہیں۔ ثریا بیگم نے بطور کہانیوں کے تمام تواریخ اسلام
جمیلہ کے دماغ میں بھر دی۔
جمیلہ چونکہ ذہین تھی جو ایک دفعہ سن لیا پتھر کی لکیر تھی ذرا سی

عمر میں اتنا کچھ جانتی تھی جو اور بچے دس بارہ برس کی عمر میں بھی نہیں جانتے۔ جمیلہ کو ثریا بیگم نے گڑیوں کا شوق دلایا اور کھیل ہی کھیل میں تمام خانہ داری کا سلیقہ سکھا دیا۔

جمیلہ کو بلقیس اور ثریا بیگم سے ازحد محبت تھی اور حمیدہ پر تو جان دیتی تھی۔ جمیلہ بلقیس کو اماں جان ہی کہکر پکارتی اور ثریا بیگم کو دادی اماں کہتی تھی۔

پانچ سوا پانچ برس کا سن تھا مگر بڑے بوڑھوں کی سی باتیں تھیں جس چیز کو دیکھتی سوال کیے بغیر نہ رہتی۔ ہر چیز کے سمجھنے ہر چیز کے معلوم کرنے کا شوق تھا۔ ایک روز ثریا بیگم کو نماز پڑھتے دیکھکر جمیلہ چوکی کے پاس آکھڑی ہوئی اس وقت جمیلہ کی عمر بہت کم تھی۔ ثریا بیگم کا سکوت اور محویت دیکھکر حیران تھی۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا ماجرا ہے۔ ثریا بیگم جب نماز سے فارغ ہوگئی تو جمیلہ نے کہا۔

جمیلہ:۔ دادی اماں۔ یہ آپ چپ چپ کیا کرتی تھیں؟

ثریا بیگم اسوقت تسبیح پڑھ رہی تھی۔ اشارے سے جمیلہ کو مسکراتے ہوے منع کردیا۔

تسبیح ہاتھ سے رکھی تو جمیلہ نے پھر وہی سوال کیا۔

ثریا بیگم نے کہا کہ بیٹی میں نماز پڑھتی تھی۔ اس جواب سے جمیلہ کو کیا تسکین ہوسکتی تھی۔ کہنے لگی۔

جمیلہ "دادی اماں نماز کیا ہے؟"
ثریا بیگم "پیاری بیٹی نماز اللہ میاں کی یاد کرنے کو کہتے ہیں"
جمیلہ "اللہ میاں کو جسنے زمین آسمان بنایا ہے۔ جو رات کو ستارے نکالتا ہے اور دن کو سورج"
ثریا بیگم (جمیلہ کو گود میں لیکر) "ہاں بی بی۔ اسی کی نماز پڑھتے ہیں۔ جس نے تم جیسی پیاری بیٹی بنائی۔ اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔ بیٹی وہی یاد کرنے کے قابل ہے جس نے تم کو پیاری پیاری باتیں کرنا سکھایا۔
چاند ستارے۔ سورج سب اُس کی یاد کرتے ہیں۔ سب اُسکا حکم مانتے ہیں۔ جو کام جسکو بتا دیا وہ کیے چلا جاتا ہے۔ سورج ہر روز نکلتا ہے اور دنیا کو روشن کرتا ہے۔ ستارے ہر رات نکلتے ہیں اور رات کو خوبصورت بناتے ہیں۔ جو اچھی بیٹیاں ہیں وہ اللہ میاں کو کسی حال میں نہیں بھولتیں اُسکے حکموں پر چلتی ہیں جو طریقہ نماز کا بتا دیا ہے اُسی طریقہ سے نماز پڑھتی ہیں۔ پیاری بیٹی تم بڑی ہو جاؤ گی تو تمکو معلوم ہوگا کہ سوائے اللہ میاں کے اور کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اس کے سوا اور کوئی سجدے کا مستحق نہیں۔ سورج اُسی کے حکم سے نکلتا اُسی کے اشارے سے شام کو پچھم میں چھپ جاتا ہے۔ جب ماشاء اللہ بڑی ہو گی تو تمکو

اللہ میاں کی بڑائی۔ اللہ میاں کی کاریگری معلوم ہوگی
ابھی تم ناسمجھ ہو۔ اُس کی قدرت کی عجیب عجیب باتیں تمہاری
سمجھ میں نہیں آسکتیں"

جمیلہ "دادی اماں۔ یہ چڑیاں اور طوطے بھی اللہ میاں کو یاد کرتے
ہیں؟"

ثریا بیگم "کیوں نہیں بیٹی اللہ میاں کو سب یاد کرتے ہیں۔ جنگل کی سب
رنگ برنگ کی چڑیاں اللہ میاں کی تعریف کے گیت گاتی
ہیں۔ درختوں کی ہری ہری پتوں والی ٹہنیاں جھک جھک کر
اللہ میاں کو سجدہ کرتے ہیں۔ اسکا احسان سب پر ہے وہی
تم کو طرح طرح کی مزیدار چیزیں کھانے کو دیتا ہے۔ وہی
جانوروں کو جنگل میں رزق پہنچاتا ہے۔ وہی درختوں کو
جنگل میں پانی دیتا ہے۔ سب اس کے احسان مند ہیں
سب اس کو یاد کرتے ہیں"

جمیلہ "پانی تو بادلوں میں سے برستا ہے"

ثریا بیگم "ہاں بیٹی۔ پانی بادلوں سے برستا ہے۔ بادل بھی اللہ میاں
ہی بناتے ہیں۔ وہاں کا حکم ہوتا ہے ہوا ذرا دیر میں اُڑا کر
لیجاتی ہے اور پانی برسنے لگتا ہے"

جمیلہ "جمشید چچا تو کہتے تھے کہ بادل مشک کی طرح ہوتے ہیں بڑی
بڑی مشکیں ہونگی۔ دادی اماں؟"

ثریا بیگم۔ بیٹی تم بھی ٹھیک کہتی تھیں۔ بادل بیشک بھاپ ہی سے بنتے ہیں۔ سورج کی گرمی سے سمندر کا پانی بھاپ بن کر اوپر جاتا ہے اور سردی پا کر بادل کی شکل میں ہو جاتا ہے۔"

جمیلہ: "بھاپ تو جب چولہے پر دیگچی رکھتے ہیں نکلتی ہے۔ اور ہاں نیچے آگ بھی تو جلاتے ہیں۔ سمندر کے نیچے کون آگ جلاتا ہے؟"

ثریا بیگم۔ "دیکھو سمندر کے نیچے آگ نہیں جلاتے۔ سورج کی گرمی سے سمندر کا پانی گرم ہو جاتا ہے اور بھاپ بن جاتا ہے۔ ایک ہی بات ہے چاہے نیچے سے گرمی پہنچے چاہے اوپر سے"

جمیلہ: "تو سورج میں گرمی بھی اللہ میاں نے بنائی ہے؟"

ثریا بیگم: "ہاں بیٹی اللہ میاں ہی نے۔"

جمیلہ: "تو ہم بھی اللہ میاں کی نماز پڑھا کریں گے!"

ثریا بیگم: "تم ابھی بہت کم عمر ہو تم سے نماز نہ پڑھی جائیگی۔"

جمیلہ: "آپ تو کہتی تھیں کہ چھوٹی چھوٹی چڑیاں تک اللہ میاں کو یاد کرتی ہیں۔ چڑیا تو مجھ سے بہت چھوٹی ہوتی ہے۔"

ثریا بیگم کچھ جواب نہ دے سکی۔ اور ادھر ادھر باتوں میں جمیلہ کا دھیان ہٹا دیا۔ غرضیکہ ثریا بیگم نے جمیلہ کو پتلی سا نگاہ رکھ کے پالا۔ آٹھ پہر جمیلہ کو پڑھانے لکھانے اور تربیت میں مشغول رہتی تھی۔

بلقیس حمیدہ پر جان و دل سے نثار تھی۔ حمیدہ کیا ایک کھلونا ہاتھ آگیا تھا۔ اب چونکہ اس تنہائی میں کوئی چیز اسکا خیال بانٹنے والی نہ تھی۔ اسکی

ساری توجہ جمیلہ پر تھی۔ حمیدہ سلیمان کی شکل سے بہت مشابہ تھی۔ اسلیے سلیمان کی مفارقت میں حمیدہ کا چہرہ بہت کچھ ماں کی تسکین خاطر کا باعث تھا۔

ثریا بیگم بھی جب سلیمان کا خیال زیادہ بےچین کرتا تو پوتی کو لیکر بیٹھ جاتی۔ اور پہروں اس کی صورت تکا کرتی تھی ماں کی محبت کا کون اندازہ کر سکتا ہی۔ ثریا بیگم کو سلیمان کی یاد آ آ کے پہر ستاتی تھی۔ کئی برس گذر گئے اور سلیمان کی کوئی خبر نہ معلوم ہوئی۔ روتے روتے ثریا بیگم کا بُرا حال تھا آنسو تک خشک ہو گئے تھے۔ طرح طرح کے پریشان خیالات رات کو سونے دن کو چین سے نہ بیٹھنے دیتے تھے۔ کوئی جاہل عورت ہوتی تو بیٹے کی مفارقت جمیلہ کی سبز قدمی کا اثر سمجھتی مگر ثریا بیگم روشن خیال خداترس عورت تھی جمیلہ کی محبت اس کے دل میں روز بروز سوا ہی ہوتی تھی۔ سلیمان کی جدائی ثریا بیگم کے لیے معمولی صدمہ نہ تھا۔ مرے کو صبر کیا جاتا ہی جیسا کہ ثریا بیگم نے اپنے شوہر کو۔ مگر اس طرح بیٹے کا گم ہو جانا۔ اور صبر کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ ثریا بیگم کی پریشانی حق بجانب تھی۔ کبھی اسکو ایسا خیال ہوتا کہ سلیمان کسی صحرائی درندے کا لقمہ ہو گیا مگر معاً اسکا دل اس خیال کو غلط کر دور کر دیتا تھا۔ کبھی سوچتی کہ سلیمان جنگلوں میں سرٹکراتا پھر رہا ہوگا کبھی اس کو ایسا معلوم ہوتا کہ وہ سلیمان کو ایک لق و دق جنگل میں پریشان حال دیکھ رہی ہو اور دشمن عقب میں ننگی تلواریں لیے ہوے چلے

جیسے تیسے ثریا اس کی آنکھوں میں خیال کے سامنے سے ہٹا دیتی تھی
اور پھر کبھی کبھی نہیں ہر وقت یہی کیفیت تھی تعجب تھا کہ ثریا بیگم اب تک
کیونکر زندہ تھی۔ امید کے سہارے۔ ثریا بیگم کا خدا پر بھروسہ تھا اور
اُسے سلیمان سے ملنے کی پوری امید تھی۔ امید ہی ڈوبتے دنوں
کو تیراتی ہے۔ امید ہی مصیبت میں رفیق بنکر کام آتی ہے۔ ناامیدی
سے بڑھکر دنیا میں کوئی مصیبت نہیں۔ تکلیف ہو اور راحت کی
امید۔ کچھ تکلیف نہیں۔ پریشانی ہو اور اطمینان کی امید کوئی پریشانی نہیں
کئی گرمیاں کئی جاڑے کئی برساتیں گذر گئیں۔ مگر سلیمان کی خبر نہ آئی۔
بغاوت کے ظاہری داغ دھبے پانی نے برس برس کر زمین کے چہرے
سے دور کر دیئے۔ مگر دلوں کے داغ نہ گئے۔ گرمی نے جلا جلا کر مردوں
کی ہڈیاں خاک میں ملا دیں۔ مگر حرماں نصیبوں کی آنکھوں کے آنسو
تک خشک نہ کر سکی۔ جاڑے نے بغاوت کی آگ پر برف باری کی۔ اور
ٹھنڈا کر دیا مگر تپ فرقت کی آگ کو نہ بجھا سکا۔

ثریا بیگم کو آج دو برس کے بعد بھی سلیمان کی یاد ایسی ہی ہے جیسی سلیمان
کی چلے جانے کے اگلے روز تھی۔

نمازیں پڑھ پڑھکر دعائیں مانگتی تھی۔ آخر خدا نے سُنی جو دعا دل سے
نکلتی ہے عرش معلے سے ادھر نہیں رُکتی۔

سورج دن بھر کا تھکا ماندا تھک کر مغرب میں کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کا چہرہ
اس مسافت کو طے کرنے کی وجہ سے زرد ہو رہا تھا۔ درختوں کی سائے

بتدریج زمین پر لمبے ہوتے چلے جاتے تھے۔ درختوں کی چوٹیاں سنہری خوبصورت کرنوں سے گلے مل مل کر الوداع کہہ رہی تھیں۔ زینب کے دروازے پر جمشید مونڈھا بچھائے جمیلہ کو گود میں لیے بیٹھا تھا سامنے سڑک پر کوئی آدمی دکھائی دیا اور جمیلہ نے جو بہت دیر سے ٹکٹکی لگائے نہ معلوم اس طرف کیا دیکھ رہی تھی جمشید سے کہا۔

جمیلہ "چچا جمشید۔ وہ دیکھئے سامنے۔ وہ کون آرہا ہو۔ اور اپنی ننھی سی خوبصورت انگلی اُس طرف اٹھا دی۔"

جمشید "ہوگا کوئی مسافر۔ سڑک رات دن چلتی ہو"

جمیلہ۔ (ہنسکر) "سڑک چلتی ہو یا سڑک پر آدمی چلتے ہیں"

جمشید "اسیطرح محاورہ ہو۔ تمھارا اعتراض ٹھیک نہیں۔"

جمیلہ "وہ مسافر تو ہمارا گھر ہی سمجھا۔ دیکھیو وہ رہا۔ ادھر ہی کو آرہا ہو وہ تو۔۔۔۔"

جمشید کو اب کچھ شک نہ رہا کہ مسافر اسی کی طرف آرہا ہو جمیلہ کو گود میں لیے آگے بڑھا کہ اجنبی آدمی بھی اسکے قریب پہنچ گیا۔

اجنبی آدمی "السلام علیکم"

جمشید "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ معاف کیجیے مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے آپ کو کہاں دیکھا ہے"

اجنبی آدمی۔ "آپ نے مجھ کو کیا عجب دہلی میں دیکھا ہو۔ مگر مجھے آپکی خدمت میں نیاز حاصل نہیں۔"

جمشید:۔ اب کہاں سے تشریف لا رہے ہیں؟
اجنبی آدمی:۔ میں اس وقت تو میرٹھ سے آرہا ہوں۔ مگر میرٹھ پرسوں بھوپال سے آیا تھا۔
جمشید:۔ یہ کیا بھوپال سے میرٹھ۔ آپ کا مطلب غالباً دہلی سے ہے۔
اجنبی آدمی:۔ (مسکرا کر) جی ہاں دہلی ہوتا ہوا میرٹھ آیا تھا۔
جمشید:۔ تو یہ کہیے کچھ خاص کام ہی میرٹھ میں تھا۔ جی بجا۔
اجنبی آدمی:۔ خاص کام تو یہاں سے ہے۔
جمشید:۔ ارشاد۔
اجنبی آدمی:۔ آپ کا نام اگر میں غلطی نہیں کرتا تو جمشید ہے۔
جمشید:۔ (متعجب ہو کر) جی ہاں مجھکو جمشید کہتے ہیں مگر......
حمید:۔ چچا جمشید کہتے ہیں۔
اجنبی آدمی:۔ (ہنس کر) بیشک چچا جمشید ہی موزوں ہے لڑکے کیا بات کہی ہے۔
جمشید:۔ مگر میرا نام آپ کو کیسے معلوم ہوا۔
اجنبی آدمی:۔ میں نجومی ہوں علم نجوم سے آدمی کا نام کیا چیز ہے۔ سارے خاندان کا شجرہ معلوم ہو سکتا ہے۔
جمشید:۔ تو آپ تشریف رکھیں۔ ہم کو تو نجومی کی عرصے سے تلاش تھی۔ ذرا میرا ہاتھ تو دیکھیے۔

اجنبی آدمی ۔ میں اس طرح ہاتھ نہیں دیکھتا۔ نہا دھو کر۔ کتاب کو
ہاتھ لگاؤں گا۔
میرے پاس ایک کتاب سادہ ورقوں کی ہے۔ بس آیندہ کی
بات یا کسی کے گم شدہ عزیز کا حال معلوم کرنا ہوا تو نہا دھو کر
عمل پڑھا اور کتاب کھولی۔ جناتی خط میں کل حال کتاب
میں لکھا جاتا ہے۔

جمشید (تعجب سے) جناب آپ کے پاس تو عجب شے ہے لوگ
تو کہتے ہیں کہ نجوم علم سینہ بہ سینہ ہے۔

اجنبی آدمی۔ ہمارے خاندان میں کتاب بہ کتاب چلا آرہا ہے۔

جمشید۔ تو جناب آپ کا نام کیا ہے۔

اجنبی آدمی۔ مجھے ہرداس جوتشی کہتے ہیں۔

جمشید۔ تو آپ بیٹھک میں تشریف رکھیں میں آپ کے کھانے
وغیرہ کا انتظام کروں۔ کسی گاؤں سے کسی برہمن وغیرہ
کو لاؤں۔

اجنبی آدمی۔ نہیں ہم چھوت چھات کے قائل نہیں۔ مسلمانوں میں
مسلمان ہندوؤں میں ہندو۔ فقیر لوگ ہیں۔ مسلمان سے
سلام علیک ہندو سے بندگی کرتے ہیں۔ کھانا پینا پرمیشر
کا ہے ہم سب کے ہاں کا کھا لیتے ہیں۔ اور ہندوؤں کی طرح
تعصب نہیں کرتے۔ ہم تم سب حضرت آدم کی اولاد

ہیں؟"

جمشید: "آپ تو بڑے عمدہ آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

جمشید نے بڑے اعزاز سے جوتشی صاحب کو بیٹھک میں لا کر بٹھایا۔ اور اندر اطلاع کی کہ ایک نجومی صاحب مہمان آئے ہیں۔

ثریا بیگم مغرب کی نماز سے فارغ ہوئی تو جمشید کو کہلا بھیجا کہ نجومی سے سلیمان کا پتہ تو دریافت کریں۔

ہائے ماں کی محبت ثریا بیگم نجوم کی قائل نہ تھی نجومیوں کو دھوکے باز جعلساز سمجھتی تھی۔ مگر آج جب یہ سنا کہ نجومی دروازے پر موجود ہے دل نہ مانا اور سلیمان کا حال پوچھنے پر آمادہ کر دیا۔ یہ تو کچھ بات نہیں محبت میں بعض اوقات بڑے بڑے سمجھدار ایسی ایسی باتیں کر گذرتے ہیں کہ جن پر بچے بھی ہنستے ہیں۔

کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر جمشید نے جوتشی صاحب کو اپنا حال کتاب میں دیکھنے کے لیے کہا۔

جوتشی صاحب نے کتاب (معمولی سفید کاپی) گٹھری سے نکالی۔ آنکھیں بند کیں اور تھوڑی دیر کچھ پڑھا۔

جوتشی (از کتاب) "فو لکرم جمشید۔ ولد احمد خاں ولد حسن خان ولد جمشید۔" جواب غلط بالکل غلط۔ میرے باپ کا نام احمد خاں تھا۔"

جوتشی - (بگڑ کر) "خاموش - بیچ میں نہ بولنا ورنہ جنات میرے اور آپ کی گردنیں مروڑ ڈالیں گے"۔

جمشید "اچھا خیر آگے چلیے"۔

جوتشی - (کتاب کھول کر) "جمشید بڑا خوش نصیب آدمی ہو - اپنے باپ سے بھی زیادہ"۔

جمشید - (خفا ہو کر) "یہ مذاق اچھا نہیں - میرا باپ تو بڑا بدنصیب تھا - تمام عمر روٹیوں کو محتاج رہا - قحط میں تنگ مجھے تنگ تو بیچ ڈالا تھا نواب مرحوم کے والد کے ہاتھ"۔

جوتشی "جمشید کی عمر بہت بڑی ہے - اپنی ماں سے زیادہ"

جمشید "پھر وہی میری ماں نے تو ۵۰ برس سے بھی کم عمر پائی - مجھے سوا برس کا چھوڑ کر مری تھی"۔

جوتشی "جمشید کے بہت اولاد ہوگی - اپنے دادا سے زیادہ"۔

جمشید "اچھا بس معلوم ہوا رہنے دیجیے - میرے دادا کے سوا میرے باپ کے اور کوئی اولاد ہی نہ تھی"۔

جوتشی "جمشید کسی گم شدہ شخص کی بابت فکر مند ہو"۔

جمشید - (چونک کر) "کیا کہا - وہ صد بالکل ٹھیک حرف حرف صحیح بیشک مجھ ایک شخص کی بابت بہت فکر ہو مدت سے گم ہے"۔

جوتشی "سلیمان نواب علی حسین مرحوم کے بیٹے کی تلاش ہو"۔

جمشید۔ "آجکل کرۂ واقعی۔ واہ رے بالکل سچ۔ کیا کہنا واہ پنڈت جی کیا بات بتائی ہے۔ اللہ۔ اب کون کہہ سکتا ہے کہ نجوم جھوٹا ہے"

جوتشی۔ "سلیمان کی ماں زینب کے مکان میں سلیمان کے لیے بیتاب ہے۔ سلیمان کی بیوی جدائی کے غم میں پریشان ہے"

جمشید۔ "کرامات۔ توبہ توبہ۔ جادو۔ جادو۔

واہ جوتشی صاحب کمال ہے کمال۔ کتاب کیا جام جم ہے یا آئینہ سکندری"

جوتشی۔ "جمشید کو ایک نجومی آنسو بنائے گا"

جمشید۔ "پھر وہی باتیں۔ جناب جوتشی صاحب"

جوتشی۔ "وہ نجومی بھوپال شہر سے آئے گا جمشید کو معہ گھر والوں کے پکڑ کرلے جائیگا"

جمشید۔ "لاحول ولاقوۃ۔ کیا آدمی ہیں آپ بھی۔ ایسی بھی کیا دل لگی اگر بتانا ہے ٹھیک ٹھیک بتادو کہ سلیمان میاں کہاں ہیں اور کب تک اُن کی زیارت ہم لوگوں کو ہوگی"

جوتشی۔ "سلیمان پہاڑوں کے بیچ تالاب کے کنارے ہے۔ بےفکر سوتا ہے"۔

جمشید۔ "ارے یا الٰہی خیر۔ اس سے کیا مطلب پہاڑوں میں تالاب کے کنارے بےفکر سوتا ہے۔ جوتشی صاحب کتاب میں

سمجھ کے تجھ پر شفقت کرتے تھے ۔ سلیمان میاں کہتے تھے : ایک جی
خدانخواستہ خدانخواستہ برا کلمہ نکالا تو مجھ سے برا
کوئی نہیں ۔"

جوتشی ۔ "سلیمان کبھی نہ آئیگا ۔ رفتہ رفتہ سب کو اپنے پاس بلا لیگا ۔"

جمشید ۔ "ہٹ تیرا ناس ہو کمبخت ۔ ایسا بد کلمہ نکالا ۔"

جمشید کو یقین ہو گیا کہ سلیمان اس دنیا سے کوچ کر گیا ۔ روتا ہوا دروازہ پر گیا اور زینب کو کل حال کہہ سنایا اور کہا کہ بیگم صاحب کو خبر نہ ہو ورنہ رو رو کر خون کریں گی ۔

ثریا بیگم نے جو زینب کو جمشید سے باتیں کرتے دیکھا تو دل میں کھٹکی زینب سے پوچھا کہ کیا بات ہے ۔ زینب نے جو ثریا بیگم کو جواب دیا تو آواز بھرائی ہوئی تھی ۔

زینب ۔ "کچھ نہیں بیگم صاحب نجومی نے جمشید سے ایک بات ایسی ہی بے تکی کہی کہ دل ہل گیا ۔"

ثریا بیگم ۔ "توبہ توبہ تم نے بھی چونڈا دھوپ میں سفید کیا ہے ۔ جو نجومی کی بات پر رنج یا خوشی کرے اس سے زیادہ بیوقوف کوئی نہیں ۔"

زینب ۔ "ہاں نجومی کی بات کا کیا اعتبار مگر موئے نے پہلے تو دو چار باتیں ایسی ٹھیک کہیں کہ جمشید حیران ہو گیا ۔ جمشید تو یہی کہتا ہے کہ نجومی نے ٹھیک کہا ہے ۔"

ثریا بیگم: "آخر میں بھی تو سنوں کیا بات ہو؟"

زینب: "کچھ نہیں۔ آپ کو ناحق رنج ہوگا۔ سلیمان میاں کی بابت ہے نصیب دشمناں کچھ ...."

ثریا بیگم: "خدا خیر کرے۔ اسوقت دل ہل گیا۔ ذرا نجومی کو دروازہ تک تو بلاؤ۔ میں بھی تو اپنے کانوں سنوں۔"

نجومی دروازے پر بلایا گیا تو ثریا بیگم نے کہا۔

ثریا بیگم: "کیوں نجومی صاحب سلیمان تو اچھے ہیں۔ تمھارا نجوم کیا کہتا ہے؟"

نجومی: "سرکار۔ کتاب دیکھوں تو معلوم ہو۔"

ثریا بیگم: "اچھا کتاب دیکھکر بتاؤ۔ تمھارا نجوم نئی قسم کا ہو کہ کتاب میں ہر ایک بات کا جواب لکھا جاتا ہو۔"

نجومی: "سرکار بمبئی کی طرف کتابوں کا بہت چرچا ہے۔"

ثریا بیگم: "اچھا کہو۔ دیکھو سلیمان کہاں ہو اور کب تک آئے گا۔"

نجومی: "سلیمان بہت دور ہو۔ بہت ہی دور ہو۔ انسان اتنے دن میں پہنچا ہو جتنے دن میں جاہل آدمی علم نجوم میں ماہر ہوتا ہو۔"

ثریا بیگم: "کیا خوب۔ اے نجومی صاحب آدمی کتنے دن میں علم نجوم سے بخوبی واقف ہو سکتا ہو؟"

نجومی: "سرکار یہی کوئی دو چار مہینے میں۔ میرا سا ذہین ہو تو

شاید اتنا عرصہ بھی نہ لگے"

ثریا بیگم "اچھا اس ملک کا کیا نام ہے جہاں سلیمان ہیں"

نجومی "سرکار شہر کا نام اس کتاب میں نہیں نکلتا۔ شہر کا نام تو میرے دادا کی کتاب میں نکلا کرتا تھا"

ثریا بیگم "اچھا کچھ پتہ بتاؤ محلہ کا"

نجومی "پہاڑ ہی پہاڑ تالاب ہی تالاب"

ثریا بیگم "اور کچھ پتہ"

نجومی "دیسی راج ہے۔ انگریزی حکومت نہیں"۔

ثریا بیگم "نجومی صاحب کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کون ایسی جگہ ہے"

نجومی "اگر ٹھیک ٹھیک خبر آپ کو معلوم ہو جائے تو آپ کیا انعام دینگی"

ثریا بیگم "جو کچھ کوئی مانگے"

نجومی "اچھا سرکار تو آنکھیں بند کیجیے"۔

ثریا بیگم نے آنکھیں بند کیں تو ایک رومال پیروں میں آ گرا۔ آنکھیں کھول کر دیکھا تو رومال میں ایک خط ہے۔ لفافہ پر لکھا ہے۔

"والدہ سلیمان"

لفافہ دیکھتے ہی ثریا بیگم باغ باغ ہو گئی۔ صرف دو الفاظ تھے مگر خدا جانے ان دو لفظوں میں کیا برقی تاثیر تھی کہ ثریا بیگم کی حالت قابل

دیکھنے کے تھی کبھی لفافے کو آنکھوں سے لگاتی تھی۔ کبھی سینہ پر رکھتی تھی۔
لفافہ ابھی چاک بھی نہ کیا تھا مگر دل نے کل مضمون پڑھ لیا۔

تھوڑی سی دیر میں تمام گھر جو عرصہ سے ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ خوشی کی مجسم تصویر
بن گیا۔ در و دیوار سے مسرت ٹپکتی تھی۔ در و دیوار ہمیشہ ایک حالت میں
رہتے ہیں۔ اینٹ پتھر سے نہ رنج برس سکتا ہے نہ خوشی۔

دل کا عکس ضرور پڑتا ہے۔ خوشی کی حالت میں ہر چیز خوش نظر آتی
ہے رنج میں ہر شے سرنگوں معلوم ہوتی ہے یہی چیزیں خوشی میں خوشی
بڑھانے والی ہیں اور یہی رنج میں کانٹے کی طرح کھٹکتی ہیں عجیب بات
ہے۔ بلقیس نے سنا حمیدہ کو کلیجے سے لپٹا کر فرط خوشی سے رو پڑی۔
وہ رونا خوشی کا رونا تھا۔

محبت کی شکلیں مختلف اور عجیب ہیں۔ اِدھر اُدھر دیکھو اور غور کرو
دنیا ان تصویروں سے پر ہے۔

باب ششم

سنہری کرنوں کا نقاب منہ پر ڈالے ہوئے - آفتاب شہر بھوپال کے مشہور تالاب سے نہا دھو کر نکل چکا تھا - پانی اچھل اچھل کر اسکے نورانی چہرہ کی بلائیں لینا چاہتا تھا مگر ہر بار اس کے عالم افروز حسن کی تاب نہ لاکر تیورا کر گر پڑتا تھا - لہریں ایک عالم وجد میں اسکی طرف دوڑتی تھیں مگر مایوس ہو کر دیوانوں کی طرح تالاب کے سنگین کناروں سے سر ٹکراتی تھیں اردگرد پہاڑ اس طرح جمے کھڑے تھے کہ گویا آفتاب کو گھیرے کھڑے ہیں اور تلے ہوئے ہیں کہ جگہ نہ جانے دینگے۔

مگر خاور فلک ان سنگ دلوں سے کب رک سکتا تھا - طلائی درم رشوت دیکر تخت بلوریں پر بڑی آب و تاب سے جلوہ افگن ہو گیا -

تالاب کا پانی اس طلائی خوان سے محروم ہو کر چیختا چلاتا ہوا بار بار جنگل کیطرف نکل بھاگنا چاہتا تھا مگر کنارے اُسکو گھیر گھیر کر اپنے حلقے میں روک لیتے تھے کہیں کچھ لوگ کنارے پر کھڑے ہوئے اس تماشے میں محو تھے کہیں کچھ بے فکرے کانٹوں سے مچھلیاں پکڑنے کی تاک لگائے پڑے تھے -

بادل محل اسی تالاب کے کنارے واقع ہے - پانی دوڑ دوڑ کر اسکی پشت پر حملہ کرتا ہے مگر اس کی مضبوط دیواریں ٹس سے مس نہیں ہوتیں اور دشمن پانی پانی ہو جاتا ہے - صبح کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چادر آب پر دوڑتی ہوئی

آتی ہے اور بادل محل کے تین دروازوں سے جو پشت کی طرف کھلے ہوئے ہیں گذر جاتی ہے۔

بادل محل میں سلیمان مدت سے رہتا ہے۔ اُس کو ۹ - ۱۰ برس یہاں رہتے ہوئے گذر چکے ہیں۔

سلیمان پر چونکہ خدا مہربان ہے - تمام زمانہ موافق ہے۔ سلیمان اپنی حسن خدمات سے رئیسہ کے دل میں گھر کر چکا ہے۔ ہر موقع پر سلیمان یاد کیا جاتا ہے۔ نئے نئے اعزاز سے آئے دن سرفراز ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ ہے مگر سلیمان پر ماں کی ابتدائی تعلیم کا ایسا اچھا اور گہرا اثر ہے کہ ہر نیا اعزاز اُس کی منکسر المزاجی میں اضافہ کرتا ہے۔

زمانہ کوتوالی میں سلیمان نے ریاست کے خوفناک ڈاکو بہادر کو اس مردانگی سے تن تنہا پکڑا کہ لوگ دنگ رہ گئے۔ مدت سے بہادر ریاست میں لوٹ مار کرتا پھرتا تھا اور کسی طرح پولیس کے قابو میں نہ آتا تھا۔ رعایا الگ پریشان حکام الگ حیران۔ آخر سلیمان نے اس انسان کے دشمن سفاک ڈاکو کے پکڑنے کا بیڑہ اُٹھایا۔ ایک ہفتہ بھی نہ گذرنے پایا تھا کہ تائید ایزدی سے ڈاکو حوالات میں مخلوق خدا کا تماشا بنا ہوا تھا۔

رئیسہ دلاور جری آدمی کی قدردان تھی بھرے دربار میں سلیمان کو اعزازی خلعت مرحمت کیا۔

بلقیس ثریا بیگم جمیلہ حمیدہ جمشید سب بادل محل میں موجود تھے سلیمان

کا رنج و غم مدت ہوئی کہ ان لوگوں کی آمد سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گیا تھا ثریا بیگم اپنے لاڈلے بیٹے کے پاس تھی بلقیس اپنے خوش نصیب شوہر کی ہر وقت کی رفیق تھی۔

جمیلہ کی عمر اسوقت ۱۴ سال سے کم نہ تھی۔ وہی خوبصورت بچی جو بہت چھوٹی عمر میں دنیا میں بے ماں کی رہگئی تھی۔ وہی موہنی گڑیا جو فاطمہ کے ساتھ جنگل جنگل پھرتی تھی اب خدا کے فضل و کرم سے لگاتار تیرہ برس امن دیکھ چکی تھی۔ بچپن میں اگر خوبصورت تھی تو اب بہت خوبصورت ہے۔ بچپن میں اگر بلقیس کی آنکھ کی پتلی تھی تو اب ثریا بیگم کی آنکھوں کا نور ہے۔ جب چہرے سے بھولاپن برستا تھا۔ اب متانت۔

اس وقت جمیلہ سب بچوں سے زیادہ اچھی تھی اب سب لڑکیوں سے۔ اس وقت حمیدہ صرف خوبصورتی کا ہار پہنے ہوئے تھی اب نیک مزاجی فرشتہ خصالی۔ پاک باطنی۔ روشن خیالی کا زیور۔ حمیدہ جمیلہ سے صرف پونے دو برس چھوٹی تھی۔ خوبصورت حمیدہ بھی تھی مگر صرف خوبصورت ہی خوبصورت تھی۔ ماں کی بڑی لاڈلی تھی سلیمان بھی کچھ کم محبت نہ کرتا تھا۔ مگر حمیدہ کو جمیلہ سے کوئی نسبت نہ تھی نہ ویسی ذہین تھی نہ اُتنی محنتی نہ اُسقدر باسلیقہ۔

بلقیس کے دل سے جمیلہ کی محبت مدت ہوئی کہ جا چکی تھی اسنے سلیمان سے عہد کیا تھا۔ ثریا بیگم سے وعدہ۔ کہ جمیلہ کو ہمیشہ عزیز رکھے گی مگر حمیدہ کی صورت دیکھتے ہی اُسی کی ہو گئی۔

[illegible]

مگر یہ موقع پر حمیدہ کو بڑھانا ہر امر میں حمیدہ کی خوشی مقدم سمجھنا ہر بری بھلی بات میں حمیدہ کی طرفداری کرنا - بہت بُرا -

ماں سے زیادہ بچے کی کسیکو محبت نہیں ہو سکتی ۔ ماں سے زیادہ بچے کی بھلائی کا خواہاں دوسرا نہیں ۔ مگر محبت ہو اور بے عقلی کے ساتھ ہو - الفت ہو اور ناسمجھی کے ساتھ ہو - کسی طرح تعریف کے لائق نہیں - محبت ثریا بیگم نے بھی سلیمان سے کی تھی - ثریا بیگم نے سلیمان کو بڑے لاڈ پیار سے پالا تھا مگر ساتھ ہی تربیت کا خیال بھی رکھتی تھی ۔ اُسی کی تربیت کا اثر تھا کہ سلیمان بہادر تھا اور دلاور مگر خلیق تھا صاحب ثروت تھا مگر متواضع ہر دلعزیز تھا مگر باادب ثریا بیگم نے جمیلہ کو پالا پرورش کیا ۔ مگر کس عمدگی سے کہ جو کوئی جمیلہ کو دیکھتا تھا اُس کی نیک مزاجی سے خوش ہوتا تھا بلقیس نے حمیدہ کو پالا مگر کس بری طرح - کھلانے میں کمی نہیں کی پہنانے میں کوتاہی نہیں رکھی - تربیت سے غافل رہی طبیعت کی اصلاح کی کوشش نہ کی -

جمیلہ سیانی ہوئی تو خوبیوں کے زیور سے آراستہ تھی حمیدہ بڑی ہوئی تو برائیوں سے پُر تھی -

صورتوں میں زیادہ فرق تھا - ایک آفتاب تو ایک ماہتاب سیرت میں تفاوت تھا ایک آسمان تو دوسری زمین

حمیدہ کے ہونے کے دس دو برس بعد ایک اور چاند سی بچی کھلانے

بلقیس کو عنایت کی زہرہ نام تھا۔ اس وقت اسکی عمر دس سوا دس برس سے زیادہ تھی۔ مگر حمیدہ سے زیادہ نیک مزاج تھی۔ اپنی بڑی بہن سے زیادہ ذہین تھی پڑھنے میں بھی دل لگاتی تھی۔

جمیلہ، حمیدہ اور زہرہ اپنے کو حقیقی بہنیں جانتی تھیں سلیمان کی سختی سے تاکید تھی کہ جمیلہ کو اپنا اصلی حال معلوم ہونے پائے جبتک حمیدہ کی عمر دس برس سے کم تھی تینوں میں غایت درجہ کی محبت تھی۔ اُٹھنا بیٹھنا کھانا پینا سب ساتھ تھا بلقیس کو اسوقت بھی حمیدہ ہی سب سے زیادہ پیاری تھی۔ حمیدہ کے سامنے زہرہ کو بھی آنکھ بھر کر نہ دیکھتی تھی۔

حمیدہ نے گیارہویں برس میں قدم رکھا۔ اور تینوں بہنوں میں وہ اگلا سا پیار سلوک نہ رہا۔

بلقیس تو حمیدہ کی محبت میں اندھی تھی ہی جو کچھ حمیدہ کہتی یقین کر لیتی تھی افسوس خود بلقیس کے دل میں ایک ایسے خیال نے جگہ پکڑ لی کہ اس سے زیادہ کوئی خیال رنج کا بڑھانے والا اور خوشی کا گھٹانے والا نہیں وہ خیال یہ تھا کہ جمیلہ حمیدہ سے زیادہ کیوں ہوشیار ہے۔ سب جمیلہ ہی کی کیوں تعریف کرتے ہیں۔

جمیلہ حمیدہ سے زیادہ ذہین سمجھدار کیوں ہو؟

اس خیال کا دل میں پیدا ہونا تھا کہ بلقیس ہر وقت ملول رہنے لگی خوشی دل سے کافور ہو گئی۔ جمیلہ کو دیکھتی نفرت کرتی اسے حسد کہتے ہیں۔ خدا ہر ایک کو اس آگ سے بچائے۔ اس آگ سے محسود کو ذرہ بھر رنج نہیں آتی

مگر حاسد نہ رہو اور جمیلہ جیسی نیک بنو۔ اگر کسی کو اپنے سے بہتر
دیکھو تو کوشش کرو کہ تم بھی ویسے ہی ہو جاؤ۔ اُسکا بُرا نہ چاہو۔ جمیلہ
صاف باطن تھی بلقیس کی حالت میں غیر معمولی تبدیلی دیکھی تو بہت پریشان
ہوئی مگر وہ سمجھ نہ سکی اس کے پاک و صاف دل میں یہ خیال تک
نہ گذرا کہ بلقیس جمیلہ سے حسد کر سکتی ہے۔ ماں اور بیٹی سے حسد۔ توبہ۔
یہی سمجھا کہ شاید چند روز سے جو پڑھنے لکھنے کی طرف کم توجہ ہو تو اماں جان
ناراض ہو گئیں ہیں اس خیال کے آتے ہی جمیلہ نے پڑھنے میں زیادہ
محنت کرنا شروع کر دی بلقیس پر حسد کا جن مسلط ہو چکا تھا۔ اب
جمیلہ اُسے ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ ثریا بیگم کے ڈر سے کچھ بولتی نہ تھی
ورنہ شاید بات زیادہ طول پکڑ جاتی۔
ماں کی یہ حالت دیکھکر حمیدہ کی ہمت اور بندھی۔ ذرا ذرا سی بات
کی شکایت کرنے لگی۔ جمیلہ نے یہ کیا اور جمیلہ نے وہ کیا۔
معصوم جمیلہ کو معلوم بھی نہ تھا کہ حمیدہ بلقیس سے اس کی شکایتیں کرتی
ہو۔ مگر چند روز بعد ہی سے اس کو معلوم ہونے لگا کہ حمیدہ اب اس سے
اس طرح محبت نہیں کرتی جسطرح پہلے کرتی تھی۔ زہرہ گو بہت کم عمر تھی
مگر طبیعت کی نیک تھی۔ حمیدہ جمیلہ کے خلاف ہو گئی مگر زہرہ کی محبت
میں فرق نہ آیا۔ ہر موقعہ پر جمیلہ کا ساتھ دیتی تھی۔ زہرہ جب حمیدہ جمیلہ
کی برائی سنتی تو بگڑ جاتی تھی۔ اور بڑی بہن سے خفا ہو جاتی۔
محلہ میں پاس ہی ایک شریف غریب عورت تھی صرف ایک ہی لڑکی

تھی۔ شومیٔ قسمت سے اچانک بیچاری کا لڑکا درد گردہ میں مبتلا ہو کر مر گیا
ایک ہی اس غریب کا سہارا تھا۔ اس کے مرنے سے بیچاری کا کلیجہ
شق ہو گیا۔ رونے کی آواز سنکر جمیلہ اور زہرہ اسکے یہاں گئیں
جہانتک ان کی زبان نے یاری کی اسکو سمجھایا۔ عورت نے دعائیں
دیں اور کہا کہ لڑکے کے مرنے سے اس کا دنیا میں کوئی خبر لینے والا نہیں
رہا روٹی تک کا سہارا نہ رہا۔

جمیلہ نے زہرہ کو دیکھا اور زہرہ نے جمیلہ کو۔ دونوں کے دل میں ایک
ہی خیال ایک ہی وقت میں گذرا کہ غمزدہ عورت کی روپیہ سے مدد
کرنا چاہیے۔

جمیلہ اور حمیدہ اس وقت اس ستم رسیدہ کو سمجھا بجھا کر چلی آئیں۔
مکان پر پہنچیں تو یوں ہمکلام ہوئیں۔

جمیلہ۔ "پیاری بہن۔ بیچاری پر بڑی مصیبت پڑی ہے اگر ہماری
صلاح مانو تو ایک بات کہیں"

زہرہ۔ "کہیے کیا بات ہے"

جمیلہ۔ "اس عورت کی اس وقت کچھ نہ کچھ روپیہ سے مدد کرنا چاہیے۔
میرے حساب میں اماں جان کے پاس عما روپیہ ہیں"

زہرہ۔ "میرے بھی اتنے ہی ہونگے"

جمیلہ۔ "تو کیا تم اپنا کل روپیہ اس عورت کو دینے کیلیے تیار ہو"

زہرہ۔ "ہاں آپا خوشی سے"

جمیلہ: مگر اماں جان تو صبح سے حمیدہ کو ساتھ لے کر سرکار کے ہاں گئی ہوئی ہیں۔ پھر روپیہ کیسے ملے؟

جمیلہ۔ زہرہ یہ باتیں کر رہی تھیں کہ ثریا بیگم آگئی دونوں کو باتیں کرتا دیکھ کر کہنے لگی۔

ثریا بیگم: (مسکراتے ہوئے) ہماری بیٹیو۔ یہ گھل گھل کر کیا باتیں ہو رہی ہیں؟

جمیلہ اور زہرہ دوڑ کر ثریا بیگم سے لپٹ گئیں اور کل قصہ سنا کر کہا کہ ادی اماں ہمکو عہ روپیہ دیجیے۔ اماں جان آئیں گی تو آپ کو لیکر دیدیں گے۔ ثریا بیگم نے کل حال سنکر دونوں کو پیار کیا اور کہا

ثریا بیگم: پیاری بیٹیو خدا تمھاری عمر میں برکت دے اور حاجت مندوں کی مدد کی توفیق۔ میں بہت خوش ہوئی کہ تم دوسروں کی مصیبت سے متاثر ہوتی ہو۔

ثریا بیگم یہ کہکر کچھ دیر کے لیے چپ ہوگئی۔ چہرہ اداس تھا۔ مصیبت کی بات سنکر اُس کو اپنی مصیبت یاد آگئی۔ اپنی مصیبت اور زینب کی ہمدردی۔ اپنی مصیبت اور جمشید کی رفاقت۔

ثریا بیگم بڑی ہی خدا ترس تھی۔ بڑھن کی مصیبت کا حال سنکر بیقرار ہوگئی۔ صندوقچہ کھول کر عہ روپیہ جمیلہ کے حوالے کیے۔ جمیلہ۔ زہرہ کے چہرے خوشی سے چمک اُٹھے۔

دوڑی دوڑی گئیں اور عہ روپیہ غریب ڈکھیاری بڑھن کے ہاتھ

میں دے دیجیے۔

سو روپیہ دیکھکر بیچاری عورت حیران رہگئی۔ دونوں لڑکیوں کا منہ تکنے لگی۔ جمیلہ نے کہا۔

جمیلہ۔ (آنکھیں نیچی کیے ہوئے) مہربانی سے یہ ناچیز رقم قبول کیجیے آپ کی مصیبت میں افسوس ہم کام نہیں آسکتے۔"

عورت "خدا تمکو خوش رکھے۔ اور عمر میں برکت دے......"

عورت کچھ اور کہنا چاہتی تھی مگر نہ کہہ سکی۔ دونوں کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر سینہ پر رکھ لیے اور سر جھکا لیا دو تین ٹھنڈی سانسیں بھریں اور آہستہ سے چھوڑ دیے۔ جمیلہ اور زہرہ کے ہاتھ نم تھے۔ لوٹ کر آئیں تو بلقیس اور حمیدہ آچکی تھیں۔ حمیدہ سے زہرہ نے کل حال بیان کیا۔ حمیدہ سنکر جل گئی۔ جاکر بلقیس سے کہا۔

حمیدہ "دیکھیے اماں جان۔ جمیلہ بہن میری غیر حاضری ہی میں نیکی کرتی ہیں کہ کہیں میں شریک نہ ہوجاؤں۔ اور دیکھیے کتنی ہوشیار ہیں دادی اماں سے میرے نام سے قرض لیا اور جاکر پڑوس میں کسی عورت کو دے آئیں۔"

بلقیس "تم سے کس نے کہا کہ تمھارے نام سے قرض لیا۔"

حمیدہ "کہتا کون۔ زہرہ سے معلوم ہوا۔ زہرہ کے حساب کے روپیہ بھی تو دے آئیں۔"

بلقیس "زہرہ کے روپیہ۔ زہرہ نے خود دلے ہونگے۔"

حمیدہ "دیے تو کل روپیہ اپنے نام سے"

بلقیس - توبہ توبہ کیا بڑی لڑکی ہو۔ دنیا اور آخرت دونوں میں اپنی ہی بھلائی چاہتی ہے ذرا بلاؤ تو میرے سامنے جمیلہ اور زہرہ مجرموں کی طرح آنکھیں نیچی کیے ہوئے بلقیس کے سامنے اکھڑی ہوئیں -

بلقیس نے دونوں کو خوب برا بھلا کہا۔ اور کہا کہ آج شام کو حکیم جی کے گھر میلاد شریف ہے تمھاری دونوں کی یہی سزا ہے کہ گھر ہی پہ رہو۔ میں حمیدہ کو ساتھ لیجاؤنگی -

جمیلہ نے کچھ نہ کہا۔ کچھ نہ سمجھی کہ کیا معاملہ ہو - اب تو وہ پڑھنے میں بھی محنت کرتی تھی پھر اماں جان کی خفگی کا کیا سبب تھا - سوچتی تھی کہ کوئی ایسی بات تو میں نے نہیں کی کہ جس سے اماں جان خفا ہوگئیں -

زہرہ نے کہا بھی کہ ہماری خطا نہیں مگر بلقیس نے نہ سنا - حمیدہ بلقیس بیگم کے برابر سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی - چہرے پہ ہنسی دوڑی دوڑی پھرتی تھی - کبھی کبھی کن انکھیوں سے جمیلہ کو دیکھ لیتی اور مسکرا کر رہ جاتی -

بلقیس "اچھا چلو ہٹو سامنے سے - جو کہا وہی ہوگا"

جمیلہ رو پڑی آنسوؤں سے ڈبڈبائی آنکھوں سے بلقیس کیطرف دیکھا اور دبے پاؤں اپنے کمرے میں چلی آئی - ثریا بیگم اتفاق سے کسی ضرورت سے کمرے میں آئی تو جمیلہ کو روتے دیکھکر بیقرار ہو گئی - دوڑ کر جمیلہ کو گلے لگا لیا -

ثریا بیگم: ہیں۔ پیاری بیٹی۔ یہ کیا۔ کیا زہرہ نے کچھ کہہ دیا۔ اس کے کہنے کا خیال نہ کرو بیٹی وہ بچہ ہے ناسمجھ۔ ہیں۔ ہیں۔ ارے۔ آخر بات تو بتاؤ کیا ہوا؟

جمیلہ: (آنسو پونچھ کر) کچھ نہیں۔ وہ امّاں جان خفا ہو گئیں مجھ پر اور زہرہ بھی خفا ہوئیں۔

ثریا بیگم: ہائیں۔ وجہ بلا سبب امّاں جان کیوں خفا ہونے لگیں (ثریا بیگم نے یہ کہتے وقت آنکھیں نیچی کر لیں)۔

جمیلہ: جی نہیں قصور تو مجھ سے ضرور ہوا ہوگا مگر مجھے رنج اس بات کا ہے کہ مجھے بتایا نہیں تاکہ آئندہ احتیاط کرتی۔

ثریا بیگم نے جمیلہ کو دم دلاسا دے کر چپ کیا اور جا کر کل کیفیت بلقیس سے پوچھی۔ جب اصلی سبب معلوم ہوا تو ثریا بیگم نے بلقیس سے کہا کہ حمیدہ کا بیان غلط ہے۔

جمیلہ نے اس کے نام سے روپیہ نہیں لیا۔ تم نے بلا تصدیق کیے حمیدہ کی بات پر اعتبار کیا اور بچیوں کا دل بُرا کیا۔ خیر اب تم سزا دے چکی ہو میں بیچ میں دخل دینا مناسب نہیں سمجھتی۔ مگر آئندہ کو احتیاط ضرور چاہیے۔ حمیدہ کی ہدایت پر عمل کرنا ٹھیک نہیں۔ کوئی سنے تو کیا کہے۔

بلقیس اس وقت تو ان کے کہنے سے چپ ہو گئی۔ مگر ثریا بیگم کے جاتے ہی کچھ کہنے لگی نہ جانے کیا کیا کہا مگر ایک بات نے غضب ڈھا دیا وہ کیا بات تھی؟ سنو۔

ثریا بیگم نے جو اتنا کہا بلقیس کو ناگوار ہوا۔ حمیدہ کی برائی بھلائی کب سن سکتی تھی۔ حمیدہ قریب ہی بیٹھی تھی۔ گڑیا کا دوپٹہ سی رہی تھی۔
بلقیس کا چہرہ غصے سے سرخ تھا۔ اور تالا لگے پانی بزنگاہ جمی ہوئی تھی ہونٹوں کو حرکت ہوئی اور یہ سنائی دیا۔

بلقیس:۔ واہ سبحان اللہ۔ اپنی پالی ہوئی کا تو اعتبار اور میں حمیدہ کا اعتبار نہ کروں۔ کیا الٹا زمانہ ہے۔ ایک اجنبی لڑکی کی خاطر تو اسقدر مدنظر ہے۔ میں حمیدہ سے محبت ..... ؟

ہائے غضب ہو گیا۔ بس کی کانٹھ حمیدہ تو پاس ہی تھی" اجنبی لڑکی" سنکر چونک پڑی۔ اور ماں سے لپٹ کر سوال کیا۔

حمیدہ۔ اماں جان کون اجنبی لڑکی کیا بات"

ہائے ماں کی اندھی محبت بلقیس نے کچھ محبت کے جوش میں کچھ غصے کی حالت میں کہہ دیا اور وہ کہہ دیا جو بلقیس کو مرتے دم تک نہ کہنا چاہیے تھا۔ اسے غصے میں نہ خدا کا خوف رہا۔ نہ شوہر کا خیال۔
آہ وہ بات جس کے چھپانے کی سلیمان نے سخت تاکید کی تھی اور جسکو دنیا میں صرف تین چار آدمی جانتے تھے بلقیس نے بلا پس و پیش ظاہر کر دی۔ ہائے اور کس سے ظاہر کی۔ کسکو بتائی۔ حمیدہ کو جو پہلے ہی سے جمیلہ سے حسد کرتی تھی۔

غصے کی آگ ٹھنڈی ہوئی تو بلقیس کو ہوش آیا۔ اپنی حرکت پر شرمندہ ہوئی۔ مگر ہائے اب کیا ہو سکتا تھا اور کچھ نہ بن پڑا حمیدہ سے کہا کہ

بیٹی جمیلہ سے نہ کہنا یقیناً میں محبت میں پاگل ہو گئی تھی جس بات کو ماں خود نہ چھپا سکے۔ بیٹی کیسے چھپا سکتی ہے۔

حمیدہ نے وعدہ کیا کہ وہ جمیلہ سے کچھ نہ کہے گی مگر دل میں خوش تھی کہ مدت کے بعد دشمن پر قابو پایا۔ اُسے جلدی تھی کہ کوئی موقع ملے تو زہر اُگلے جمیلہ نظر پڑے تو ایک بات سے ذبح کر ڈالے۔ بات سے صرف ایک بات سے۔ ہاں بات کا زخم تلوار سے سوا ہے

زبان سے خواہ مرہم کا کام لو خواہ تلوار کا۔ اور حمیدہ زبان سے تلوار کا کام لینے کا ارادہ کر چکی ہے۔

الٰہی خیر جمیلہ معصوم بے گناہ جمیلہ کا خدا حافظ۔

حمیدہ نے زہرہ کو اگلے دن اکیلا پا کر اس طرح مخاطب کیا۔

حمیدہ "زہرہ تمھیں کچھ خبر بھی ہے۔ جمیلہ جسے تم بہن بہن کہکر محبت کا دم بھرتی ہو وہ تمھاری بہن نہ میری بہن۔ خدا جانے کس کی لڑکی ہے۔ اماں جان نے رحم کھا کر پال لیا ہے۔ تمھاری بہن تو میں ہوں۔ مجھسے محبت کرو"

زہرہ "بس رہنے دیجیے۔ جمیلہ بہن۔ بہن ہوں یا نہ ہوں میں تو انھیں کی محبت کرتی ہوں اور ہمیشہ کرونگی مجھے اُن سے خود بخود محبت ہو گئی ہے۔ بہن ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اُن کی عادتوں کی وجہ سے۔ آپ بہن ہیں مگر مجھے آپ سے ایسی محبت نہیں جیسی جمیلہ بہن سے ہے"

حمیدہ تنک کر بڑبڑائی "اوہ - زبان ایسی مقراض سی چلتی ہے - اوئی بڑی طرفدار جمیلہ کی"

اسوقت جمیلہ کمرے میں داخل ہوئی - زہرہ کے دل میں معاً خیال گذرا کہ حمیدہ جمیلہ سے خوفناک بھید ظاہر کیے بغیر نہ رہ سکے گی - گھبرا کر کمرے سے نکل گئی -

جمیلہ نے زہرہ کو اس طرح بھاگتا دیکھکر بڑا تعجب کیا اور غریب کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا معاملہ ہے - کھٹکی کہ کہیں حمیدہ کی طرح زہرہ بھی تو ناواقف نہیں ہوگئی کہ میرے کمرے میں آتے ہی بے تحاشا بھاگ گئی -

آگے بڑھی تو سامنے حمیدہ کو کھڑے دیکھا - حمیدہ جمیلہ کو اس طرح تنہا پاکر بہت خوش ہوئی - چہرہ خوشی سے روشن ہوگیا - مگر وہ خوشی دشمن کو تنہا پانے کی خوشی تھی وہ خوشی نہ تھی جو بہن کو بہن کے دیکھنے سے ہوتی ہے -

جمیلہ نے آج کئی دن کے بعد حمیدہ کو خوش دیکھا سادہ دلی سے سمجھا کہ شاید حمیدہ کی محبت اس کے لیے پھر عود کر آئی بھولی بھی خیال گذرا کہ شاید حمیدہ صلح کرنا چاہتی ہے جمیلہ کا دل فرط مسرت سے اچھلنے لگا - دل خدا کے سجدے میں جھک گیا کہ اس نے اس کی پیاری بہن کا دل نرم کیا آگے بڑھی - اور ہاتھ پھیلا کر کہنے لگی -

جمیلہ "میری اچھی بہن حمیدہ - مجھے تمھیں دیکھکر بڑی خوشی ہوئی - میں اپنی کشیدگی پر نادم ہوں - بڑی ہوں مگر تم سے معافی

مانگتی ہوں۔ آؤ میں تمھیں گلے لگاؤں۔ میری پیاری بہن۔ میری اچھی۔"

حمیدہ۔ (جمیلہ کا ہاتھ جھٹک کر) کون بہن کیسی بہن۔ آئیں بڑی بیچاری بہن بنانے والیں۔ کس کا قصور کیسی ندامت۔ تم تو فاطمہ کی لڑکی ہو یا خدا جانے کس کی۔ میری بہن کیوں ہونے لگیں۔ اماں جان نے تمھیں رحم کھا کر فاطمہ سے لیکر پال لیا اور بس۔ اب مجھے بہن نہ کہنا۔ مجھے تو اب معلوم ہوا کہ تم خدا جانے کسکی لڑکی ہو۔ میرا دل تو مدت سے کہہ رہا تھا تم میری بہن نہیں ہو سکتیں۔ خبردار جو پھر مجھے بہن کہا....."

دھماکا ہوا اور جمیلہ۔ نازک دل والی جمیلہ بیہوش ہوکر حمیدہ کے سامنے گر پڑی۔!!!

حمیدہ نے ایک ہی سانس بھری مگر وہ رنج کی سانس نہ تھی۔ وہ سانس اس کے دلی اطمینان کا پتہ دیتی تھی۔ زہرہ جب کمرے سے نکلی تو سیدھی ثریا بیگم کے پاس پہنچی اور کہدیا کہ حمیدہ جمیلہ کو کل بھید کہنے پر تلی ہوئی ہے ثریا بیگم بیوی کا ہاتھ پکڑے ہوئے عالم اضطراب میں کمرے میں داخل ہوئی۔ مگر ثریا بیگم نے کمرے میں قدم رکھتے ہی ایسا ہی دل ہلانے والا منظر دیکھا کہ اس کی ضعیف آنکھوں کے نیچے اندھیرا آگیا۔ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

ہائے غضب اس کی پیاری جمیلہ مردے کی طرح حمیدہ کے قدموں میں پڑی تھی۔ اور حمیدہ کے چہرے پر فتحمندی کی مسرت پائی جاتی تھی زہرہ سہم کر ہائے دادی اماں کہکر ثریا بیگم کے پیروں سے لپٹ گئی۔ اور ثریا بیگم کے قدم زمین نے پکڑ لیے۔ بڑھنا چاہتی تھی پر قدم نہ اٹھتا تھا۔ ثریا بیگم کے حواس درست ہوئے تو لپک کر حمیدہ کو دروازہ کی طرف دھکیل دیا اور چلائی۔

ثریا بیگم۔ (غصے سے کانپتی ہوئی آواز میں) "دور ہو کمبخت تجھ پہ خدا کی پھٹکار۔ آخر جان ہی لیکر صبر آیا......"

حمیدہ بے پروائی کے ساتھ کمرے سے باہر ہو گئی۔

ثریا بیگم نے جلدی سے جمیلہ کا سر اٹھا کر زانو پر رکھ لیا۔ جمیلہ بیہوش تھی آنکھیں بند۔ منہ کسیقدر کھلا ہوا۔ مردنی چھایا ہوا۔ چہرے پر سرخی کا نشان ندارد۔ زہرہ دوڑ کر پنکھا اٹھا لائی جلدی جلدی جھلنا شروع کیا۔ ثریا بیگم نے پانی منگا یا منہ پر چھینٹے دیئے۔ جمیلہ نے آنکھیں کھولیں تو ثریا بیگم کو اپنے اوپر جھکے ہوئے روتے دیکھا۔

زہرہ جمیلہ کا ہاتھ آنسوؤں سے تر کر رہی تھی۔

جمیلہ۔ (کمزور آواز میں) "میں کہاں ہوں....."

ثریا بیگم (منہ چوم کر) "پیاری بیٹی۔ اپنے گھر میں ہو۔ ہوش کرو بیٹا جمیلہ۔ دیکھو زہرہ رو رہی ہے۔ بی بی"

جمیلہ "میں کہاں ہوں"

ثریا بیگم "بیٹی اپنے گھر ہو"
جمیلہ "اپنے گھر۔ ہاں اپنے گھر۔ میں اپنے۔ گھر"
ثریا بیگم۔ (روتے ہوئے) "ارے بیٹی کیا تم اپنی دادی اماں کو نہیں پہچانتیں۔"
جمیلہ "ہاں۔ ہاں میری دادی اماں!"
جمیلہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ ثریا بیگم رومال سے آنسو پونچھتی جاتی تھی اور روتی تھی۔
تھوڑی دیر میں جمیلہ کو اُٹھا کر پلنگ پر لٹایا۔ زہرہ پنکھا جھلنے لگی۔ ثریا بیگم جمیلہ کو کلیجے سے لگا کر پلنگ پر بیٹھ رہی۔
پنکھے سے ٹھنڈک اور ثریا بیگم کے محبت بھرے دل سے گرمی نے جا کر جمیلہ کی نبض میں اعتدال قائم کیا۔
جمیلہ کی آنکھ لگ گئی کیونکہ زندہ رہی ایسی خبر سنکر؟ کیسے بچی عجب!!!

حصہ اول تمام ہوا

باب ہفتم

انسان قدرتاً سہو اور نسیان کا عادی ہے۔ بھول چوک ہر ایک آدمی کی سرشت میں ہے۔ ہزاروں باتیں یاد کرتا ہے۔ ہزاروں بھول جاتا ہے۔ بعض اوقات کوشش کرتا ہے مگر پچھلی باتیں یاد نہیں آتیں۔ غور کرتا ہے مگر گذشتہ واقعات نہ معلوم لوح دل سے کیسے مٹ جاتے ہیں کہ پڑھنے میں نہیں آتے یہ حالت۔ انسان کی یہ عادت۔ خداوند عالم کی رحمت اور عنایت ہے۔

اگر انسان کا حافظہ بے انتہا قوی ہوتا۔ جو بات یاد کرتا ہمیشہ یاد رہتی جو دیکھتا کبھی نہ بھولتا۔ تو انسان ہمیشہ رنج اور تکلیف میں زندگی کے دن گذارتا آفات سماوی اور ارضی سے کوئی بشر محفوظ نہیں۔ دنیا میں رہے اور رنج و فکر سے آزاد ہو۔ ناممکن۔

فقیر سے لیکر بادشاہ تک اس سے باہر نہیں۔ چھوٹا بڑا کوئی فکر سے خالی نہیں۔

مگر دیکھیے تو دنیا کیسی خوش نظر آتی ہو - اپنے اپنے کاروبار میں لوگ اسطرح مصروف دکھائی دیتے ہیں کہ گویا مصیبت سے واقف ہی نہیں سب خوش سب مگن -

یہ بھول - نسیان کی بدولت ہے - مصیبت پڑتی ہو مگر یاد نہیں آتی پریشانی ہوتی ہو مگر دماغ میں نہیں ٹھیرتی -

زمانہ حیرت انگیز کاریگر ہے - روتوں کو ہنسانا مردوں کو بھلانا اس کے نزدیک کوئی بات ہی نہیں - کسی عزیز کی موت بھی دنیا میں معمولی صدمہ نہیں مگر غور کیجیے کہ طبیعت جوں جوں زمانہ گذرتا ہے خود بخود اپنی حالت پر آتی جاتی ہے -

آج مرا کل دوسرا دن - اسکے معنی یہی ہیں - کیسا ہی صدمہ کیوں نہ ہو رفتہ رفتہ بھول جاتا ہو -

اگر ایسا نہ ہوتا تو رنج کا سلسلہ انسان کی زندگی میں کبھی ختم نہ ہوتا - ایک رنج بھولنے نہ پاتا کہ دوسرا غم شروع ہو جاتا -

کوئی خوشی خوشی نہ بخشتی - عین حالت خوشی میں کسی گذرے ہوے صدمے کی یاد تمام خوشی خاک میں ملا دیتی - یہی حالت سلیمان کی تھی اُس سے زیادہ کسی پر کم اُفتاد پڑی ہوگی - اُس سے زیادہ کسیکو کم پریشانی ہوئی ہوگی - مگر زمانے نے سب کچھ اس کی طبیعت سے بتدریج محو کر دیا - پندرہ سولہ برس کے واقعات اب سلیمان کی نظروں میں خواب و خیال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے -

[illegible]

میں ۱۰۰۱۲ برس تک رہا اس عرصہ میں حد سے زیادہ ہردلعزیزی حاصل کی پولیس کا ایسا عمدہ انتظام کیا۔ ایسے اچھے اصول ایجاد کیے کہ آج تک ریاست میں انھیں پر عملدرآمد ہے بڑے بڑے کام کیے مگر ریاست آخر کو ریاست ہے مفسدوں نے فساد پر کمر باندھی۔ طرح طرح کی سازشیں اس کے خلاف کیں عرصہ تک [illegible] نہ کیں مگر تابہ کے حاسدوں نے چین نہ لیا روز نئے نئے جھگڑے۔ روز نئے نئے فساد ریاستوں میں یہ ایک معمولی بات ہے۔ ریاست کی نوکری میں سازشوں کی کمی نہیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ سلیمان جو طبعیتاً نیک مزاج۔ فرشتہ خصال آدمی تھا [illegible] کی صلاح سے ریاست کی نوکری سے سبکدوش ہو کر اپنے وطن [illegible] میں واپس آگیا۔ وہی مکان جس میں ۴۰ برس قبل سلیمان پیدا ہوا تھا اور جو ۱۵ برس ہوئے کہ باغیوں کی دست درازی سے جگہ جگہ سے منہدم ہو گیا تھا اب پھر مرمت ہونے کے بعد اپنی اصلی حالت میں نظر آتا تھا۔ پائیں باغ جو مدت سے کس مپرسی کی حالت میں پڑا ہوا تھا اب پھر باغ ارم کی کیفیت دکھلا رہا تھا۔ وہی سرو کے درخت وہی ثمر کے درخت وہی خوبصورت ہموار روشیں وہی جگہ جگہ گھاس کا مخملی فرش حوض میں پھر مچھلیاں دوڑ دوڑ کر دیکھنے والوں کو اپنی بہار دکھاتی تھیں درختوں پر خوش الحان پرندے اپنے نغموں سے سننے والوں کو مسحور کرتے

سکتے۔

سلیمان تھا اور بلقیس۔ چاندنی راتیں تھیں اور باغ کی روشوں پر ٹہلنا۔ پچھلی تکالیف کا اثر دلپیر باقی نہ تھا۔ گذشتہ فراق کا زمانہ خواب و خیال سے باہر تھا۔

زمانے نے - ہاں ۱۵ برس نے دلوں کے داغ دھو ڈالے تھے سلیمان اور بلقیس کی صورتوں میں بہت کچھ فرق آگیا تھا مگر دلوں میں نہیں سلیمان اب بھی بلقیس کا عاشق زار شوہر تھا۔ بلقیس اب بھی سلیمان کی رات دن کی مونس تھی زمانہ سب پر حاوی ہے۔ پہاڑوں کو گھس گھس کر ریت بنا ڈالتا ہے۔ بچوں کو جوان۔ جوان کو بڈھا کر دیتا ہے مگر محبت پر اسکی حکومت نہیں۔ محبت پر اس کا زور نہیں چلتا۔ سلیمان کو جو محبت ۱۵ برس پہلے تھی اس میں ذرہ بھر تغیر پیدا نہ کر سکا۔

ثریا بیگم ادھیڑ سے بوڑھی ہو گئی مگر سلیمان کی محبت بدستور تھی سلیمان جوان سے ادھیڑ ہو گیا مگر ان کی الفت سے سرشار تھا کیوں نہ ہو محبت اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ یہ خدا کا بہترین عطیہ ہے۔ جو اس سے محروم ہے وہ بدنصیب۔ جسے ماں باپ کی محبت۔ بھائیوں کی الفت عزیزوں کی ہمدردی سہیلیوں کی غمخواری نہیں۔ وہ پتھر سے بدتر

حمیدہ اب ۱۸ برس سے جوان تھی۔ وہی خوبصورت [illegible] سوا برس کی وفات اسے [illegible] سے سترھویں برس میں قدم رکھ چکی تھی۔ جوان ہوئی تو خوبیوں کی مجسم دیوی تھی عفت اسکی پاکدامنی کی قسم

کھاتی تھی۔ شرافت اُس کے عضو عضو سے ٹپکتی تھی۔ آنکھ میں حیا۔ دل میں ہمدردی۔ صاحب سلیقہ۔ صوم وصلوۃ کی پابند۔ پڑھنے لکھنے میں لاثانی۔ سگھڑاپے میں لاجواب۔ ثریا بیگم کی خدمت گزار۔ بلقیس کی تابعدار۔

حمیدہ بھی جوان تھی مگر عادتوں میں بچوں سے زیادہ خفیف الحرکت پڑھی لکھی تھی مگر تاریک خیال۔ نہ ماں کا ادب نہ بہن کی الفت۔

جمیلہ سے خواہ مخواہ کی لاگ۔ مفت کی عداوت۔

جمیلہ خوبصورت تھی مگر اس کی خوبصورتی گلاب کے پھول جیسی جو دیکھے محبت کرے۔ حمیدہ خوبصورت تھی مگر اس کی خوبصورتی سانپ جیسی جو دیکھے خوف کھائے۔

حمیدہ کو ماں کی جاہلانہ محبت نے بالکل بگاڑ دیا تھا۔ نہ اسکو کسی کی محبت تھی نہ کسی سے ہمدردی۔

جمیلہ سے متنفر زہرہ سے ناراض۔

جمیلہ غیر تھی اس سے نفرت ہونا حمیدہ کی بدمزاجی سے چنداں بعید نہ تھا زہرہ تو بہن تھی مگر اس سے بھی سیدھے منہ بات نہ کرتی تھی۔

زہرہ جمیلہ پر نثار تھی غیر تھی مگر بہنوں سے زیادہ چاہتی تھی حمیدہ اس کی بڑی بہن تھی مگر اس کی بدمزاجی نے اس کو غیر بنا دیا تھا۔

تندخوئی۔ بدمزاجی سے زیادہ کوئی عادت محبت کی بنیادیں ہلا ڈالنے والی نہیں۔ بدمزاج سے عزیز و اقارب تک نفرت کرتے ہیں۔

حمیدہ جمیلہ سے کبھی بولتی چالتی تھی۔ جب دیکھو الگ تھلگ کروا رہی جمیلہ
کہ حمیدہ کی اس بے التفاتی پر بھی ہمیشہ اسی فکر میں رہتی کہ کسیطرح حمیدہ
اس سے ویسا ہی برتاؤ کرے جیسا ایک بہن۔ بہن سے کرتی ہے۔ مگر
یہ جمیلہ کی خام خیالی تھی۔ حمیدہ سے اور محبت کی امید۔ سرو کے درخت سے
پھل کی آرزو۔ حمیدہ جب جمیلہ کو حقیقی بہن جانتی تھی جب حسد کرتی تھی۔
جب اس کو ماں جائی سمجھتی تھی جب ہی مخالف تھی اور اب تو مدت ہوئی
کہ اسکو معلوم ہو گیا تھا کہ جمیلہ کسی غیر کی بچی ہے۔ طبیعت میں فساد ہو پھر اس
سے زیادہ دکھائی کا کیا بہانہ ہو سکتا ہے۔

جمیلہ کو بھی اچھی طرح معلوم ہو چکا ہے۔ کہ حمیدہ اس کی بہن نہیں۔ ثریا بیگم نے
جمیلہ کے اصرار سے فاطمہ کی کہانی اس کو کہہ سنائی اور جمیلہ کو اپنے غیر ہونے
میں مطلق شک باقی نہیں۔ مگر جمیلہ نا سمجھ نہ تھی۔ جہالت اس سے کوسوں
دور تھی۔ کیا مجال جو بلقیس کے کسی حکم سے کبھی سرمو سرتابی کی ہو۔
اس کو اپنے اصلی ماں باپ سے ملنے کا ضرور اشتیاق تھا مگر کیا مجال جو
سلیمان اور بلقیس پر کبھی اس خواہش اس قدرتی خواہش کو ظاہر ہونے
دیا ہو۔

بلقیس کو وہ اماں جان ہی کہتی تھی اور بلقیس ندامت سے پانی پانی ہو جاتی
تھی۔ بلقیس نے فرط محبت اور جوش غصہ میں حمیدہ کو جمیلہ کا اصلی حال
بتا دیا۔ اور غریب جمیلہ کے اطمینان میں خلل ڈالدیا مگر خود بھی اس
جرم کی سزا سے نہ بچ سکی

اپنی غلطی پہ خیال کرتی اور نادم ہوتی ۔ اس کا دل ۔ اسکا ضمیر اسکو ملامت کرتا تھا ۔

ناسمجھی کی ایک بات انسان کو عمر بھر آٹھ آٹھ آنسو رُلاتی ہے بلقیس نے شوہر کا کہانہ مانا اور ہمیشہ پریشان رہی ۔

ثریا بیگم بہت ضعیف ہوگئی تھی ۔ دنیا بھر کے روگ ضعیفی کے ساتھ لگے ہوئے ہیں آئے دن نزلہ زکام کی شکایت رہتی تھی ۔ جب تک اُس کے دماغ نے کام دیا اُس نے جمیلہ ۔ حمیدہ ۔ اور زہرہ کو پڑھایا لکھایا جو کچھ آتا تھا سب ہی کچھ تو لڑکیوں کو سکھلا دیا ۔

ثریا بیگم علم و ہنر میں دریا تھی ۔ جمیلہ اور زہرہ کو تو ہر علم سے آراستہ کر دیا مگر حمیدہ سے جہالت نہ گئی یہ ثریا بیگم کی تعلیم کا قصور نہ تھا ۔ یہ حمیدہ کے دل کی خطا تھی ۔

اُس کا دل ماں نے بنجر بنا دیا تھا ثریا بیگم کی تعلیم کی بارش نے اس کو کچھ نفع نہ دیا ۔ جمیلہ ثریا بیگم کی رات دن خدمت کرتی تھی ۔ دونوں وقت خود ہی کھانا کھلاتا ۔ پانچوں وقت خود ہی وضو کراتا ۔ کئی ماما ئیں متعدد نوکرنیاں تھیں مگر جمیلہ ثریا بیگم کے کسی کام کو دوسرے کو ہاتھ نہ لگانے دیتی ۔

سلیمان نے کچھ روپیہ حالت ملازمت میں بنک میں جمع کر دیا تھا ۔ ایک معقول رقم چلتے وقت بھوپال سے عطا ہوئی تھی ۔

حمشید نے نواب علی حسین کی حیات ہی میں کئی ہزار علیحدہ ری ما اشرفیاں

یا میں باغ میں دفن کر دی تھیں جن کا علم صرف نواب مرحوم ہی کو تھا
سلیمان کے میرٹھ میں آتے ہی جمشید نے کل اشرفیاں گن کر اسکے
سپرد کر دیں۔

یہ ہے سچی خیر خواہی - اس کو کہتے ہیں نمک حلالی۔ نواب مرحوم باغی تھے
سلیمان باغی تھا۔ اس لیے نواب مرحوم کی کل جائداد ثریا بیگم کے نام
چڑھ گئی تھی۔ مگر سلیمان اور ثریا بیگم دو نہ تھے۔

سلیمان نوکری چھوڑ کر گھر آ بیٹھا تھا مگر خدا انخواستہ اسے کسی چیز کی
کمی نہ تھی۔ گھر بیٹھے نوابی کرتا تھا - شہر کے چھوٹے بڑے سب اب صاحب
نواب صاحب ہی کہتے تھے۔ ہر معاملہ میں سلیمان کی رائے ضروری تھی۔
شہر کے بڑے بڑے رئیس اس کی ملاقات کو آیا کرتے تھے۔ انگریز
حکام اس سے بڑے تپاک سے ملتے تھے۔ گو سب جانتے تھے کہ
سلیمان بہادر شاہ کی طرف سے انگریزوں سے لڑا تھا مگر
اس کی عادتیں اس کی نیک مزاجی دلوں کو مقناطیس کی
طرح کھینچتی تھی۔

سلیمان فرشتہ خصال نیک اطوار تھا مگر ساتھ ہی روشن خیال
بھی تھا۔ عورتوں کو پڑھانا لکھانا اس وقت عام طور پر معیوب خیال
کیا جاتا تھا مگر سلیمان اس کا سختی سے مخالف تھا تعلیم نسواں کا
بڑا حامی تھا۔ اس کے ہم خیال اس وقت بہت کم تھے اور مخالف بہت
زیادہ مگر سلیمان جس بات کو بہتر اور مناسب سمجھتا اس کو فوراً

شکل میں لاتا تھا۔ ثریا بیگم کو اس کی خفگی نے مجبور کیا کہ لڑکیوں کی درس تدریس سے ہاتھ کھینچے۔ سلیمان نے اسی ہفتہ میں مشن کی ایک لیڈی مس روز آنا کی لڑکیوں کی تعلیم کے لیے مقرر کر دی۔

مس روز آنا اردو صاف نہیں بول سکتی تھی۔ انگریزی اُس کی مادری زبان تھی۔ کشیدہ نکالنے۔ جراب بننے۔ چکن بنانے میں اُستاد تھی۔ جمیلہ وغیرہ کو انگریزی پڑھاتی اور دستکاری سکھلاتی تھی۔ روز صبح کو آتی تھی اور ۹-۱۰ بجے مشن واپس چلی جاتی تھی۔

مس روز آنا کو بھی معلوم تھا کہ حمیدہ، جمیلہ سے عداوت رکھتی ہو اس نے اپنے مقدور بھر کوشش کی کہ صفائی ہو جائے۔ کئی بار دونوں کو گلے ملوا دیا مگر گلے ملنے سے دل نہیں مل سکتے۔ کبھی کسی کے وعظ و پند سے حسد کی آگ نہیں بجھ سکتی۔

سلیمان جمیلہ کو سب سے زیادہ چاہتا تھا۔ گھر میں آتے ہی سب سے پہلے جمیلہ کو پوچھتا۔ اُس کو اپنے عہد کا خیال تھا۔ اپنے قول پر قایم تھا جیسا کہ ہر شریف مرد و عورت کو ہونا چاہیے۔

جب حمیدہ کی کشیدگی کا حال اُسے معلوم ہوا تو سلیمان کو بہت غصہ آیا۔ بلقیس سے سبب پوچھا تو بلقیس کچھ جواب نہ دے سکی۔ اُس کے دل میں چور تھا وہ سلیمان سے آنکھ نہ ملا سکی۔ غیرت سے گردن جھکی کی جھکی رہ گئی۔

وہی بلقیس جو سلیمان کو گھنٹوں دیکھتی تھی اب آنکھ نہ ملاتی تھی یہ کیوں؟

وہ شوہر کی حکم عدولی کی مرتکب ہو چکی تھی۔ اس کا دل حسد نے کمزور کر دیا تھا۔

سلیمان :"بیٹی جمیلہ۔ میں تمھیں اور حمیدہ کو کبھی ساتھ نہیں دیکھتا اسکی کیا وجہ۔ کیا خدانخواستہ تم دونوں میں لڑائی ہے۔ اور اگر ہے تو ابتدا اس کی کس کی طرف سے ہوئی۔ تمھاری عادت تو کسی سے لڑنے بھڑنے کی نہیں"۔

جمیلہ۔ جی نہیں تو۔ یہ اتفاق کی بات ہو کہ آپ نے جب دیکھا ہم دونوں کو الگ الگ دیکھا"۔

سلیمان :" یہ اتفاق کی بات کب ہو۔ نا اتفاقی ہو"۔

جمیلہ۔ (مسکرا کر) نہیں ہم میں لڑائی کیوں ہونے لگی۔ حمیدہ بہن تو مجھ سے کبھی کچھ نہیں کہتیں۔ نہ میں کبھی کچھ بولوں"۔

سلیمان :"خیر۔ میں نے سنا تھا کہ حمیدہ تم سے ناراض ہو"۔

جمیلہ :"جی بجا ہو۔ اگر یہ بات ہو تو میں خوش کرونگی"

سلیمان جمیلہ سے یہ باتیں ہی کر رہا تھا کہ مس روزا آگئی آج خلاف وقت مس کو دیکھکر جمیلہ نے پوچھا۔

جمیلہ۔ مس صاحب یہ آج بے وقت آپ کیسے تشریف لائیں"۔

مس روزا :"میں تم کو لینے آیا ہو"۔

جمیلہ۔ (حیران ہو کر) مجھکو لینے۔ کہاں لیجائیے گا مجھکو"۔

مس روزا :"ہم تم کو مسٹن کا لڑکی ڈکانا مانگتا۔

جمیلہ۔ (سلیمان کی طرف اشارہ کرکے) "تو آپ سے اجازت دلوا دیجیے"

مس روز۔ "ڈیل نباب صاب۔ آپ اپنا لڑکی لوگ ہمارے ساتھ چلنا دینا سکتا"

سلیمان۔ (ہنس کر) "ہاں۔ ہاں کچھ مضائقہ نہیں۔ مگر پہلے سے آپکو اطلاع دینا چاہیے تھا۔ اب شام ہوا چاہتی ہے۔ کل کسی مناسب وقت آپ شوق سے اپنے ساتھ لیجائیں"

مس روز۔ (خوش ہو کر) "ہم آپ کا شکریہ بولتا ہے۔ کل اتوار ہے پرسوں لیجائیگا"

مس روز اسوار ہو کر واپس چلی گئی۔ زہرہ اور حمیدہ کو بھی معلوم ہوا کہ پرسوں مس صاحب مشن لیجانے کا وعدہ کر گئیں ہیں دونوں بہت خوش ہوئیں۔ زہرہ خوش خوش جمیلہ کے پاس آئی اور کہا کہ بہن کسی طرح اماں جان کو بھی لیچلو۔

جمیلہ "تم کہکر دیکھو اگر اماں جان چلیں تو بہت مناسب ہے"

زہرہ "مجھے تو اُن سے کہتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ آپا سے کہوں۔ اُن کی بات اماں جان ضرور مان لیں گی"

جمیلہ "ہاں بہتر ہے"

زہرہ خوشی خوشی حمیدہ کے پاس گئی اور کہا۔

زہرہ "اچھی آپا۔ اماں جان کو بھی تو لے چلو مشن"

حمیدہ "تو پھر جا کے کہتی کیوں نہیں۔ تم ہی اماں جان کی چہیتی والی ہو
کہو جا کے مجھ سے مطلب۔ واسطہ"

زہرہ "توبہ بہن آپ تو سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتیں"

حمیدہ "ہاں ہمارا منہ تو ٹیڑھا ہے۔ ہم تو ٹیڑھی ہی بات کہتے ہیں۔
جمیلہ سیدھے منہ والی ہیں۔ انھیں سے بات کیا کرو۔ انھیں سے
اماں جان سے کہلواؤ۔ اپنی غرض ہوئی تو دوڑی دوڑی
آئیں۔ کام کرنے کو ہم۔ خیر خواہی کرنے کو جمیلہ۔
بڑی سیانی۔ دونوں"

زہرہ چپ کی چپ رہ گئی۔ خاموش جمیلہ کے پاس آبیٹھی۔

حمیدہ زہرہ جا چکی تو بلقیس کے پاس پہنچی۔

حمیدہ "اماں جان کچھ سنا بھی"

بلقیس "کیا ہے۔ خیر تو ہے؟"

حمیدہ "وہ جو مس صاحبہ بھی آئی تھیں نا۔ انھوں نے مجھے
اور آپکو اور بہن جمیلہ کو اور زہرہ کو ابا جان سے مشن دکھلانے
کو پوچھا تھا"

بلقیس "اچھا تو پھر"

حمیدہ "تو پھر کیا۔ ابا جان نے تو سب کے لئے کہدیا تھا مگر جمیلہ بہن
نے کہا کہ لڑکیوں میں بڑی بوڑھیوں کا کیا کام۔ اور کہا کہ
اماں جان ساتھ ہونگی تو پھر ہم کچھ اطمینان سے دیکھ بھال

نہ سکیں گے"

بلقیس" تو کیا تم بھی وہیں موجود تھیں"

حمیدہ" جی ہاں میرے سامنے ہی تو یہ سب باتیں ہوئیں اور ہاں جمیلہ بہن بڑی عقلمند ہیں۔ کیا نام۔ وہ۔ وہ۔ تو۔ زہرہ کو آپ کے پاس بھیجیں گی مشن کے لیے چلنے کو کہلوائیں گی۔ تاکہ آپ یہ سمجھیں کہ جمیلہ کو بڑی محبت ہو آپ سے"

زہرہ کو آتے دیکھا تو حمیدہ نے بلقیس کی طرف دیکھکر اشارہ کیا۔ اور خود کسی بہانے سے چلدی۔

زہرہ آئی اور ڈرتے ڈرتے ماں سے کہا

زہرہ" اماں جان پرسوں کو ہم سب وہاں جارہے ہیں مشن میں لڑکیوں کو دیکھنے۔ آپ بھی اگر چلیں تو بہت اچھا ہو"

بلقیس" (چیں بجبیں ہوکر) لڑکیوں میں بڑی بوڑھیوں کا کیا کام۔ تم لوگ جاؤ۔ میری کیا ضرورت ہے"

بیچاری زہرہ مایوس لوٹ گئی اور جمیلہ سے کہدیا کہ بہن اماں جان نہ جائیں گی۔

مس روز ابیر کی صبح کو ۸ بجے آئیں۔ یہاں سب لڑکیاں بہت دیر سے تیار بیٹھی تھیں۔ بند گاڑی میں چاروں بیٹھکر مشن جا پہنچیں مس روز نے لڑکیوں سے ملایا۔ اُنکے ہاتھ کی بنی ہوئی چیزیں دکھلائیں۔

احاطہ میں قریب ہی گرجا تھا لیجا کر تینوں کو گرجا دکھلایا۔ جیسے ترہ جیس بیہ

پادری کھڑا ہوتا ہے وہاں لیجاکر صلیب دکھلایا اور کہا۔

مس روزا " دیکھو۔ یہ ہی۔ وہ نشان صلیب جس پہ معصوم خداوند یسوع مسیح ہم لوگ کا کھاطر سولی دیا گیا۔ ہمارا گناہ بخشوایا اور اپنا جان دیا۔ بدلے میں اپنا جان دیا۔ ہم لوگ کے واسطے "

حمیدہ " بیچارے بڑے بھولے تھے۔ کہ دوسروں کے لیے اپنی جان دیدی۔ سیدھے لوگ تھے اگلے وقتوں کے "

مس روزا " دیکھو جو اس کا پیچھے ہوگا وہ روشنی میں چلیگا تاریکی میں نہیں "

جمیلہ " بیشک مس صاحب حضرت عیسیٰؑ اللہ کے بڑے برگزیدہ بندے تھے۔ ہم مسلمان لوگ اُن کو ماننا جزو ایمان سمجھتے ہیں۔ میں نے انجیل اردو میں پڑھی ہے۔ اُن کی بعض تعلیم بہت عمدہ ہے "

مس روزا " دیکھو تم ٹھیک بولا یسوع مسیح جو اس کو مانے گا سب کو بخشوائے گا بہشت میں لیجائے گا "

جمیلہ " ہاں مس صاحب ہمارے حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم بھی قیامت کے دن سب مسلمانوں کی شفاعت کریں گے اور بہشت میں مسلمانوں کو پہنچائیں گے "

مس روزا " ہمارا بات سنو۔ ہم بولتا کہ یسوع مسیح صرف ہم لوگ کو

عیسائی لوگ بہشت دیگا۔ اور بس "

زہرہ "بہشت دینے نہ دینے کا اختیار تو خدا کو ہے مس صاحب۔ حضرت عیسےٰ تو یہاں مدتوں رہے دنیا میں اور لوگوں کو دنیا میں کچھ نہ دے سکے سب کو یہی کہا کہ دنیا چھوڑ دو۔ راہب بن جاؤ"

جمیلہ۔ (زہرہ کو اشارہ سے منع کرکے) "مس صاحب اب دیر ہوتی ہے ہم لوگوں کو جانا ہے۔ مذہب کی بحث تو بہت مشکل سے طے ہوگی۔ پھر کبھی دیکھا جائے گا"

مس روزا۔ (خندہ پیشانی سے) "اچاّ۔ اچاّ۔ ہم سمجھا۔ ڈیکھو یہ سب بینچ پر ہم لوگ بیٹھتا ہے۔ عبادت کے وکت۔ یہ ڈیکھو تصویر ہے۔ یسوع مسیح خداوند کے سر پر کانٹے کا تاج ہے"

جمیلہ "یہ کون بڑی بات ہے۔ کانٹوں کا تاج ہر کوئی پہن سکتا ہے"

زہرہ۔ آپا۔ چپ چپ رہو۔ کہنے دو۔ ہمیں کیا ہوگا کہیں کا۔ اُن کا تاج اُنھیں مبارک"

مس روزا "ڈیکھو۔ خداوند یسوع مسیح اندھے کو اچھا کرتا ہے۔ یہ تصویر ڈیکھو"

جمیلہ "ہاں مس صاحب انہوں نے اپنے نبیوں کو بڑی بڑی روحانی

قوتیں عطا کی تھیں۔ ہمارے پیغمبر صاحب نے چاند کے ٹکڑے کر دیے تھے۔ ایک انگلی کے اشارے سے۔ اندھے کو اچھا کرنا بھی کچھ اچنبھا نہیں۔ اب دیر ہوتی ہو چلی ہے۔"

مس روزا پریشان ہو کر "اچھا۔ ہم چلتا ہو۔ چلو"

تینوں کو مس روزا پھر مشن میں جہاں لڑکیاں رہتی تھیں لے آئیں۔ اور کہا کہ آپ لوگ یہاں لڑکیوں سے باتیں کیجیے میں ذرا ایک کام سے تھوڑی دیر کے لیے باہر جاتی ہوں۔

جمیلہ کے گرد ساری مشن کی لڑکیاں جمع ہو گئیں۔ جمیلہ نے ہر ایک سے با اخلاق گفتگو کی۔ جو کچھ پوچھا بتایا۔

مشن کی لڑکیاں قریب قریب ہر عمر کی تھیں۔ چھوٹی نو دس برس سے لیکر جوان تک۔ تمام لڑکیاں ایک سا لباس جو بہت سادہ تھا پہنے ہوئے تھیں۔

جمیلہ نے ایک لڑکی کو بہت اداس دیکھا۔ جمیلہ تھی تو نہا سے زیادہ رحم دل الگ لیجا کر اس لڑکی سے اداسی کا سبب دریافت کیا۔

جمیلہ "کیا میں تم سے پوچھ سکتی ہوں کہ تم غمگین کیوں ہو"

لڑکی "بیشک۔ میں خود آپ سے کچھ کہنا چاہتی تھی۔ مگر موقع نہ ملتا تھا۔"

جمیلہ "شوق سے کہو۔ میں خوشی سے سنوں گی"

لڑکی "آپ مسلمان ہیں۔ نا؟"

جمیلہ:۔ الحمد اللہ۔ ہاں اس سے کیا مطلب؟

لڑکی:۔ اس سے یہ مطلب کہ میں مسلمان ہی سے کہنا چاہتی ہوں۔

جمیلہ:۔ تو کہو کیا بات ہے؟

لڑکی:۔ (آبدیدہ ہو کر) میں مسلمان ہوں اور یتیم۔ میں نے قرآن شریف بھی پڑھا ہے۔ بدقسمتی سے میرے ماں باپ مر گئے۔ میرے باپ شہر کے بڑے صاحب کے یہاں دفتر میں نوکر تھے۔ میں مشن میں زبردستی رکھی گئی۔

جمیلہ:۔ تو بہن تم یہاں عیسائیوں میں کیوں پڑی ہو۔ چلی کیوں نہیں جاتیں۔ تمھیں کون روک سکتا ہے؟

لڑکی:۔ (رو کر) کہاں چلی جاؤں۔ میرا دنیا میں کوئی ٹھکانا نہیں۔ ان عیسائیوں سے میری روح بیزار ہے۔ کمبخت آنحضرت کی شان میں برے برے کلمے کہتے ہیں اور میں خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتی ہوں۔ کیا کروں مجبور ہوں۔ بیگم صاحب میں سینا۔ پرونا۔ اور کھانا پکانا بھی جانتی ہوں۔ آپ مجھے اپنے ہاں نوکر رکھ لیجیے۔ میں آپ کی خدمت کروں گی۔ مگر مجھے اس کفرستان سے نکال لیجیے۔

لڑکی نے اپنا سر جمیلہ کے پیروں میں رکھنا چاہا۔ جھکی ہی تھی کہ جمیلہ سمجھ گئی۔ فوراً دونوں ہاتھوں سے روک دیا اور سینہ سے لگا کر

بولی۔

جمیلہ "تم مسلمان ہوکر ایسا کرتی ہو۔ توبہ توبہ۔ خود گنہگار بنتی ہو مجھکو بھی بناتی ہو۔ تمھاری مصیبت سنکر میرا دل ہل گیا۔ میں اپنے مقدور بھر کوشش کرونگی۔ تم اطمینان رکھو۔ اور ہاں تمھارا کیا نام ہے"

لڑکی۔ (جمیلہ کا ہاتھ چوم کر) میرا نام۔ وہ نام جس سے ماں باپ پکارتے تھے۔ "رقیہ ہے"

جمیلہ "رقیہ۔ تو بہت اچھا نام ہے تمھیں یہاں دیکھکر مجھے بڑا رنج ہوا"

رقیہ۔ مجھے آپ کو یہاں دیکھکر بہت خوشی ہوئی۔ آپ وعدہ کر چکی ہیں کہیں بھول نہ جائیے گا۔ غمزدہ۔ مظلوم رقیہ کو مجھکو جسکا دنیا میں کوئی سہارا نہیں"

جمیلہ نے کچھ نہ کہا۔ مس روزا کے ساتھ معہ حمیدہ اور زہرہ کے گاڑی میں سوار ہوکر ثریا بیگم کے پاس آگئی۔ رقیہ کا حال ثریا بیگم سے کہا۔ بیچاری کا ضعیف دل ہل گیا۔ سلیمان کو بلایا۔ اور کہا کہ جسطرح ہو رقیہ کو مشن سے نکالے۔ سلیمان نے وعدہ کیا۔

خواب میں جمیلہ نے رقیہ کو اپنے ساتھ پائیں باغ .... میں ٹہلتے ہوئے دیکھا۔

اس وقت رقیہ کے چہرہ پر وہ اداسی نہ تھی جو جمیلہ نے مشن میں

[illegible]

ٹپکتی تھی۔ جمیلہ نے رقیہ سے کچھ کہنا چاہا۔

مگر اچانک آنکھ کھل گئی۔

ثریا بیگم کی آواز آئی

پیاری بیٹی

اٹھو



باب ہشتم

دنیا میں ہر ایک بیماری کا علاج ہے - مگر دل کی خرابی کسی دوا سے نہیں جاتی - سخت امراض کا اثر جسم پر ضرور پڑتا ہے - مگر دل کی برائی روح بگاڑ دیتی ہے - جسم میں دائمی بخار ہو مگر کسی کی طرف سے دل میں بخار نہ ہو - خون میں فساد ہو مگر دل میں شر نہ ہو - خون کی اصلاح آسان ہے - دل کی اصلاح مشکل -

حمیدہ کے دل میں فتور تھا - وہ دیکھنے میں تندرست توانا تھی مگر حقیقت میں مہلک عارضہ میں مبتلا - وہ ظاہر میں اچھی خاصی تھی مگر حسد کا بخار اندر ہی اندر روح کو تحلیل کیے دیتا تھا - کینہ کی آگ اسکو کسی کروٹ چین نہ لینے دیتی تھی - جمیلہ کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اترا آتا تھا - جمیلہ کی تمام خوبیاں اس کی نظروں میں عیب تھیں - کوئی جمیلہ کی تعریف کرتا اور یہ جل جاتی - تمام جہان جمیلہ کی وجہ سے اس کی نظر میں تاریک تھا -

جہان تاریک نہ تھا - حمیدہ کا دل سیاہ تھا جسکا عکس ہر چیز پر پڑتا تھا - کوئی چیز اسکو بھلی نہ معلوم ہوتی تھی - ہر وقت جمیلہ کو نیچا دکھانے

کی فکر میں پریشان رہتی۔ کسی سے مطلب نہ واسطہ۔ حسد اس کا صلاح کار تھا۔ عداوت اس کی سہیلی۔ جمیلہ سے تو خیر پرانی عداوت تھی زہرہ سے مدت سے بیزار تھی۔ غریب رقیہ جو چند روز سے سلیمان کی کوشش سے مشن کی قید سے آزاد ہو کر حمیدہ کے یہاں آکر رہنے لگی تھی وہ بھی اس کی عداوت سے نہ بچ سکی۔ زہرہ اور جمیلہ اس کو یتیم۔ لاوارث سمجھکر دلاسا۔ تسلی دیتیں۔ حمیدہ اذیت قصور یہ کہ وہ بھی اوروں کی طرح جمیلہ کی مداح تھی۔

شروع شروع میں جب رقیہ آئی تو حمیدہ نے چاہا کہ اس کو اپنے رنگ میں رنگ لے۔ طرح طرح کی باتیں بنائیں۔ اپنی محبت بھی جتائی۔ اپنی ہمدردی کا اظہار بھی کیا۔ اپنے پاس سلایا۔ اپنے ساتھ کھلایا۔ مگر جھوٹی محبت۔ اپنی غرض سے ہمدردی۔ مصلحت سے سُلانا۔ اپنے مطلب سے کھلانا۔ کچھ مفید نہ ہوا۔

رقیہ فوراً کھٹک گئی کہ تمام شکایتیں کسی غرض سے ہیں۔ دوسرے ہی دن حمیدہ نے رقیہ سے جمیلہ کا کل حال بیان کیا۔ اور جمیلہ کی طرح طرح کی بُرائیاں کیں۔ یہ بھی کہا کہ یہ میری ہی کوشش کا نتیجہ ہے کہ تم یہاں ہو۔ جمیلہ نے تمھارے یہاں آنے کی سخت مخالفت کی تھی۔ اگر ابا جان پر میں زور نہ دیتی تو تم کبھی مشن سے نہ نکل سکتیں۔

جمیلہ۔ زہرہ سے تمھارا حال کہہ رہی تھیں میں نے جوں ہی سنا بے اختیار دل بھر آیا۔ فوراً ابا جان سے کہا کہ مجھکو کسی نہ کسی طرح اپنے ہاں بُلا لیں

[illegible]

تھا نمایاں بیان کیں۔ رقیہ گو عمر میں ۱۳-۱۴ برس سے زیادہ نہ تھی مگر
حمیدہ سے زیادہ سمجھدار تھی۔ غریب تھی مگر ایک شریف دل پہلو میں
رکھتی تھی۔ حمیدہ کے کہنے سننے کا اُس پر اُلٹا اثر ہوا جمیلہ کی ممنون احسان
تو تھی ہی دو چار دن میں اسکی خوبیاں دیکھکر اُسی کی ہو گئی۔ حمیدہ
کو اپنی ناکامی پر بڑا افسوس ہوا۔ چاہتی کچھ تھی اور ہوا کچھ۔ رقیہ
اور زہرہ جمیلہ کی تو ہمسر کی رفیق تھیں۔ تینوں سگی بہنوں کی طرح
رہتی تھیں۔ حمیدہ کی نہ کوئی مونس تھی نہ مددگار۔ اس کا سب سے
بگاڑ تھا۔ سب کو بُرا سمجھتی تھی۔ جوں جوں دن گذرتے تھے جوں جوں
بڑی ہوتی تھی جمیلہ کیطرف سے دل پر کدورت کی تہ جمتی جاتی تھی۔
رقیہ کی آمد اور جمیلہ کے ساتھ اُس کی محبت نے حسد کی آگ اور
بھڑکا دی۔ جمیلہ کا دل حمیدہ کی طرف سے بالکل صاف تھا۔
حمیدہ اس کو ہر طرح ستاتی۔ مگر جمیلہ کبھی اُلٹ کر جواب نہ دیتی سنتی
اور چپ ہو جاتی جمیلہ کی عداوت پر تو حمیدہ تلی ہوئی تھی۔ شیطان
نے اسکو ایک نئی ترکیب انتقام لینے کی سمجھائی۔ مس روزا نے
تو پڑھانے آنا چھوڑ دیا تھا۔ سلطان نے ایک استانی دہلی سے
بلا کر لڑکیوں کو پڑھانے کے لیے مقرر کیا تھا۔ اتفاق کی بات یہ استانی
جنکا نام محمدی خانم تھا۔ طبیعت میں حمیدہ کی بڑی بہن تھی۔ دل فساد
پر مائل تھا۔ حمیدہ کو تو پہلے سے ایک مددگار کی تلاش تھی محمدی خانم

کے آتے ہی عبادت نے صلاح دی کہ اس سے بہتر رفیق ممکن نہیں ۔

حمیدہ نے استانی کو اپنا ہم خیال بنا لیا ۔ دو چار ہفتے ہی گذرے تھے کہ استانی سے ایک خط جمیلہ کی طرف سے پادری جوزف کے نام لکھوا کر ڈاک میں ڈلوا دیا ۔ خط کا مضمون حسب ذیل تھا ......

جناب پادری صاحب ۔

تسلیم میں ایک [illegible] لڑکی ہوں اور مدت سے نواب سلیمان صاحب کے یہاں ان کی صاحبزادیوں کے ظلم سہہ رہی ہوں میں روزانہ سے آپ کی تعریف سن چکی ہوں ۔ اور رقیہ جو ابھی چند روز ہوئے کہ آپ کے یہاں سے یہاں آگئی ہے اس صاحب کے بیان کی تائید کرتی ہے ۔ میں یہاں سخت تکلیف میں ہوں ۔ رقیہ اور میں دونوں یہاں سے مشن میں پناہ لینے کے لیے تیار ہیں ۔ آپ اگر مدد کریں تو ہماری مصیبت دور ہو سکتی ہے ۔ برائے خدا یہ خط دیکھتے ہی چاک کر ڈالیے گا ۔ آپ بذریعہ ڈاک اس خط کا جواب دیں میں ملازم جو میرا راز دار ہے بھیج کر ڈاک خانے سے منگا لونگی ۔

آپ کے جواب کی منتظر

جمیلہ ۔ بمکان نواب سلیمان صاحب

* جواب احمد خاں ملازم نواب صاحب کے نام ہونا چاہیئے ۔

خط پادری صاحب کے پاس پہنچا اور پادری صاحب نے اسی وقت جواب

احمد خاں کے پتہ پر ڈاک میں ڈلوا دیا۔

ڈاک لانے کا کام احمد خاں جو سلیمان کا رفیق دشت نوردی تھا بپر دتھا صرف یہی خدمت احمد خاں کے سپرد تھی۔ ورنہ ہر طرح سے سلیمان احمد سے برابری کا برتاؤ کرتا تھا حسب معمول ایک روز احمد خاں نے ڈاک سلیمان کے سامنے لا کر رکھی۔ ایک لفافہ پر یہ پتہ تھا۔

کوٹھی نواب سلیمان صاحب۔ پاس احمد خاں ملازم کے پہنچے۔

سلیمان نے اس خط کو اٹھا کر احمد خاں کو دے دیا احمد خاں نے کہا۔

احمد خاں "سرکار۔ آپ ہی پڑھ دیجیے"!!

سلیمان نے لفافہ چاک کیا۔ مضمون دیکھکر ہوش اڑ گئے خط پر نگاہ جمی کی جمی رہ گئی۔ چہرے پر غصہ برسنے لگا۔ احمد خاں سے کہا۔

سلیمان "یہ خط تمہارا نہیں جمشید کو بھیجدو"۔

احمد خاں سلیمان کا بڑا ادب کرتا تھا۔ کچھ نہ کہا اور باہر جا کر جمشید کو اندر بھیجدیا۔

جمشید سے کل حال سلیمان نے بیان کیا۔ اور کہا کہ

سلیمان "بتاؤ۔ اب کیا کروں۔ غضب کی بات ہے۔ ہائے ہائے ایسی پڑھی لکھی۔ ایسی سمجھدار اور یہ حرکت۔ کمبخت سے میں نے پوچھا تھا۔ کہا میں کسی سے ناراض نہیں۔ خدا جانے کیا تکلیف لڑکیوں نے پہنچا دی۔ اسکو۔ زہرہ تو ہر وقت اسی کے پاس رہتی تھی۔ بڑی شرم کی بات ہے۔ بتاؤ بھائی

کیا کروں۔ ظلم کیا جمیلہ نے۔ ہائے میں تو اُسے جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ اور اُس نے میری عزت آبرو کا خیال نہ کیا کہیں یہ رقیہ کی محبت کا اثر تو نہیں۔ مگر وہ مشن سے خود بیزار تھی۔ جمیلہ کیسی ناسمجھ ہو گئی کہ رقیہ کا اثر قبول کیا۔ بتاؤ اب میں کیا کروں۔ ہائے ہائے سوائے زہر کھانے کے اور کیا کر سکتا ہوں میں۔ خدایا رحم کر"

جمشید:۔ مگر اول تصدیق ہونا چاہیے۔ مجھے کسی طرح یقین نہ آئیگا کہ جمیلہ پادری کو خط لکھ سکتی ہو۔ وہ تو فرشتہ ہو فرشتہ کسی اور کی کارستانی ہو"

سلیمان:۔ نہیں خط ضرور جمیلہ ہی نے لکھا ہے۔ کمبخت نے۔ اُس کے سوا اور کون لکھ سکتا ہو۔ یہ دیکھو کیا ہے میں ایک لاوارث لڑکی ہوں۔ سوائے اُس کے اور کون جانتا ہے۔ تم نے لکھا۔ میں نے لکھا۔ اماں جان نے لکھا یا انھوں نے لکھا۔ بس سوائے اتنے آدمیوں کے اور کوئی یہ فقرہ نہیں لکھ سکتا۔ دیکھو نہ صاف صاف پادری صاحب لکھتے ہیں:۔

"کیا تم جمیلہ کہ تم نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ" میں ایک لاوارث لڑکی ہوں" عدالت میں بیان کر سکتی ہو"

ہائے - ہائے - میری پیاری جمیلہ - اور پھر عدالت میں جائے
خدایا تیری پناہ - ہائے جمیلہ میں نے تجھے بیٹوں سے زیادہ
سمجھا - تیری خطا نہیں میری قسمت کا قصور ہے - لکھا سامنے
آیا - کیا ہو سکتا ہے جمشید وہ جوان ہی سمجھدار ہے وہ تو کمبخت
اب اگر وہ ارادہ کر چکی ہے تو اُسے کون مشن جانے سے
روک سکتا ہے"
جمشید:- "دیکھیے زیادہ نہ گھبرائیے - میرا دل کہتا ہے کہ یہ جمیلہ کا کام
نہیں"
سلیمان:- "پھر آخر کس شیطان کا ہے - کیا کروں میں بتاؤ تو"
جمشید:- "شیطان کا حال خدا کو معلوم - آپ پادری صاحب سے
وہ اصلی خط منگائیے - وہ تو آپ کے دوست ہیں"
سلیمان:- "لاحول ولا قوۃ - لعنت ہے ایسے دوست پر - دوست
ہوتا تو مجھ سے اول پوچھتا - خط کا جواب جمیلہ کو نہ بھیجتا - اُسے
دوست کہنا خون کرنے کے برابر ہے"
جمشید:- "خیر دوست نہ سہی - وہ آپ کو جانتا ضرور ہے - آپ لکھیے
تو - دیکھیں کیا جواب دیتا ہے"
سلیمان:- "کیوں جمیلہ سے ہی نہ پوچھوں - اُسی سے پتہ سے"
جمشید:- "توبہ - توبہ - ایسا غضب بھی نہ کیجیے گا -
فرض کیجیے کہ جمیلہ بے قصور ہوئی - تو خواہ مخواہ کی شرمندگی

ہوگئی۔ آپ کو اپنی بدگمانی کی کوئی وجہ بھی نہیں۔

سلیمان: کیوں جی اور یہ احمد خاں کی معرفت کیسے آیا جواب۔ آپکا پادری کا۔ کہیں احمد خاں کی تو کچھ ...... "

جمشید: استغفر اللہ۔ احمد خاں آپ کا سچا بہی خواہ ہے اگر اس معاملہ میں اس کا ہاتھ ہوتا تو خط آپ کو کیوں دیتا لا کر۔ اور چھپاتا آپ سے "

سلیمان: ہاں بیشک ٹھیک ہے۔ احمد خاں میرا سچا رفیق ہے۔ بڑے بڑے وقتوں میں کام آیا۔ کیا کروں اس وقت غصہ میں عقل کام نہیں کرتی۔ ہر شخص پر شبہ ہوتا ہے "

جمشید: نہیں آپ ہی کیجیے۔ پادری صاحب کو بلوائیے۔ اور ہاں لکھ بھیجئے کہ خط اپنے ساتھ لیتے آئیں "

سلیمان: اچھا۔ مگر مجھے یہ امید نہیں کہ پادری خط دیدے۔ خیر لکھتا ہوں "

سلیمان نے پادری صاحب کو خط لکھا۔ پادری صاحب اسی روز شام کو ٹم ٹم میں سوار ہو کر سلیمان سے آ کر ملے۔ مزاج پرسی کے بعد سلیمان نے کہا۔

سلیمان: پادری صاحب۔ آپ شریف ہیں اور مجھ سے اور آپ سے ایک عرصہ سے ملاقات ہے۔ کیا میں آپ سے وہ خط جو میرے ہاں سے آپ کے پاس بھیجا گیا۔ دیکھ سکتا ہوں "

پادری: ہاں نواب صاحب آپ خوشی سے دیکھیے۔ ہم کوئی

ایسی بات جس میں آپ کی آبرو میں فرق آئے کہیں کر سکتے ہیں؟"

سلیمان نے پادری سے خط لیکر "میں آپ کی اس عنایت کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اگر آپ کی رائے ہو تو میں اپنے طور پر اس معاملہ کی تحقیقات کروں۔ آپ یقین جانیے اگر جیسا کہ لڑکی نے لکھا ہے اُس کو یہاں رہنا پسند نہیں تو میں خود اُس کو اپنے ہاں رکھنا پسند نہ کروں گا۔ مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ یہ خط میرے پاس رہے"

پادری: "بہت اچھا۔ آپ رکھیے اور ہمکو نتیجہ سے آگاہ کیجیے گا"

پادری سلیمان سے رخصت ہو کر چلا گیا تنہائی میں سلیمان نے خط کھولا۔ خط لفافہ سے نکالتے وقت اس کی انگلیاں کانپ رہی تھیں۔ چہرہ سرخ تھا۔ خط دیکھا اور دیکھتے ہی اسکے چہرہ سے غصہ کے آثار جاتے رہے اور رنج منہ پر برسنے لگا۔ سلیمان نے خط صندوقچہ میں بند کر دیا اور گاؤ تکیے کے سہارے آنکھوں پر ہاتھ رکھکر لیٹ رہا۔ اور خود بخود کہنے لگا۔

سلیمان: "اوہ غضب ہی ہو گیا تھا۔ اگر میں جمیلہ پر خفا ہوتا تو کیا ہوتا۔ بڑی خیر ہوئی۔ جمشید سچ کہتا تھا۔ جمیلہ فرشتہ ہے فرشتہ۔ میری پیاری جمیلہ۔ بیٹی جمیلہ۔ توبہ توبہ۔ بھلا وہ۔ بھلا ایسی فرشتہ بیٹی ایسا کر سکتی تھی۔ مجھے اپنے دل سے نفرت ہو گئی۔ کہ کیسی جلد جمیلہ جیسی پیاری بیٹی سے مجھکو بدگمان کر دیا مگر یہ خط نہ جمیلہ کا ہے نہ زہرہ کی تحریر ہے۔ میں تو دونوں

تینوں کے خطوں کو جانتا ہوں ۔ سیدہ تو بہت بد خط ہے ۔ آتیں اس خط میں پختگی پائی جاتی ہے ۔ جمیلہ کے خط کی شان دوسری ہے ۔ پھر لکھا تو کس نے لکھا ۔ بھیجا تو کس نے بھیجا خدایا کس صلاح لوں ۔ اماں جان خدا جانے دہلی سے کب لوٹیں ۔ آج تو صرف چوتھا ہی روز ہے اُن کو گئے ہوئے ۔ وہ ہوتیں تو کچھ سفید مشورہ دیتیں ۔ اُن کو بلا بھی نہیں سکتا وہ تو ننھے میاں مرحوم کا جہلم کئے بغیر نہ لوٹیں گی ۔ خط لکھدوں مگر وہاں بیٹھے بیٹھے وہ کیا کر سکتی ہیں ؟"

جمشید اندر آگیا ۔ سلیمان کو متردد دیکھکر کہا کہ آپ زیادہ فکر نہ کریں اس معاملہ کو یہیں کا یہیں دبا دینا مناسب ہے ۔ دشمنوں کو ہنسنے کا موقعہ ملے گا آپ فکر نہ کریں ۔ سرکار بیگم کے آنے تک صبر کیجیے ۔ جو سرکار بیگم صلاح دیں کیجیے گا ۔ عزت آبرو کا معاملہ ہے ۔ جلدی میں خرابی ہے ۔

جمشید کے سمجھانے بجھانے سے سلیمان مان تو گیا مگر دل کی بے چینی نہ گئی اس کو رہ رہ کر خیال آتا تھا کہ اس نے بلا سبب بلا تقصیر جمیلہ سے بدگمانی کی ۔

کسی مصیبت نے سلیمان کو اتنا بے چین اور پریشان نہ کیا تھا جتنا اس خانگی معاملے نے ۔ سخت سے سخت مصیبت پڑی مگر اس نے ہنس ہنس کر برداشت کی مگر خط بار بار یاد آکر بیقرار کر دیتا تھا ۔

جمیلہ ثریا بیگم کے دہلی چلے جانے سے بہت جکڑی تھی مدقیہ اور زہرہ ہر وقت

پاس رہتی تھیں تب بھی ثریا بیگم جمیلہ کو بار بار یاد آتی تھی۔ چلتے وقت
ثریا بیگم نے تاکید سے جمیلہ سے کہدیا تھا کہ دوسرے روز اپنی خیریت
کا خط بھیجتی رہے۔ جمیلہ کو زیادہ کہنے کی ضرورت نہ تھی وہ تو ثریا بیگم کے
حکم کو ہر امر میں مقدم سمجھتی تھی۔ ثریا بیگم نے دوسرے روز کو کہا تھا۔ اسنے روز
خط لکھنا شروع کر دیا لکھتی اور استانی کو دے دیتی۔ غریب کو کیا معلوم
تھا کہ استانی کے دل میں کیا ہے۔ ظاہر تو استانی کا اس کے ساتھ
بہت اچھا تھا۔ مگر حمیدہ سے در پردہ وہ ملی ہوئی تھی۔ جمیلہ جو خط ثریا بیگم کے نام
اسے لکھکر دیتی یہ جھٹ حمیدہ کو پکڑا دیتی۔ حمیدہ ایک بلا سے روز گار تھی
ایسا موقع کب جانے دیتی۔ پادری صاحب کو خط بھیج چکی تھی اور انتظار
میں تھی کہ کب پادری صاحب کا جواب احمد خاں کی معرفت آئے اور کب
سلیمان کی نظر سے گذرے۔ اور کب جمیلہ باپ کی نظر سے گرے۔ سوچتی
تھی اور خوش تھی کہ اب کوئی دم میں پادری صاحب کا خط آیا اور اب
جمیلہ پر ابا جان کی خفگی ہوئی۔ مگر کئی دن گذر گئے کوئی خط نہ آیا۔ جمیلہ کا جو خط
ثریا بیگم کے نام استانی اسے لاکر دیتی یہ فوراً اپنے صندوقچے میں مقفل دیتی
چار نہیں بیسیوں خط جمیلہ کے حمیدہ نے صندوقچے میں بند کر دیئے
ادھر سے ثریا بیگم کے پاس خط نہ جانے دیتی ادھر سے جمیلہ کے نام جو خط
آتا چھپا لیتی۔ بیچاری جمیلہ پریشان کہ کیا معاملہ ہے کہ دادی اماں
خط کا جواب نہیں دیتیں کہیں خدا نخواستہ طبیعت تو خراب
نہیں [illegible]

یا الٰہی میری دادی اماں اچھی ہوں دعا قبول ہوتی تھی جمیلہ کی دادی
اماں ثریا بیگم کے خط آتے تھے - اُسی گھر میں آتے تھے مگر جمیلہ تک نہ پہنچنے
پاتے تھے - ادھر خط آیا اور ادھر حمیدہ کے صندوقچہ میں پہنچا ظالم حمیدہ کو
اس پر بھی چین نہ آیا اور ایک خط ثریا بیگم کو لکھا سارا مضمون ملاحظہ ہو -

میری پیاری دادی اماں معظمہ و مکرمہ

بعد آداب دست بستہ معلوم ہو کہ میں اچھی طرح ہوں اور آپ کی خیریت
کی ہر دم خواہاں - میں یہ جانتی ہوں کہ آپ مجھکو جمیلہ بہن کی برابر نہیں
چاہتیں کیونکہ آپ کو خیال ہو گیا ہے کہ مجھے آپ سے اسقدر محبت نہیں
جسقدر جمیلہ بہن کو ہے - مگر میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میں دنیا ساری
سے واقف نہیں - مجھے محبت ہے مگر میں خاطر خواہ اظہار نہیں کر سکتی -
جمیلہ بہن کو آپ سے محبت ہو - انھیں ہر ایک سے محبت ہو جاتی ہے -
مگر اُن کی محبت منھ دیکھے کی ہو آپ کو اب وہ کبھی بھولکر بھی یاد نہیں
کرتیں - ہر وقت رقیہ سے اور زہرہ سے دل بہلاتی ہیں - میری یہ حالت
ہے کہ آپ کی یاد میں ہر وقت بےچین رہتی ہوں - نہ معلوم آپ کبتک
تشریف لائیں گی - اماں جان تسلیم کہتی ہیں -

آپکی فرمانبردار کنیز
حمیدہ

ثریا بیگم دہلی سے پورے ایک مہینے میں واپس آئی - گاڑی سے
اُتری تو جمیلہ دروازہ پر موجود تھی ثریا بیگم کو دیکھتے ہی بے اختیار

لپٹ گئی۔ مگر ثریا بیگم نے نہ جمیلہ کو پیار کیا نہ کچھ کہا۔ سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ غریب مظلوم جمیلہ کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ ضبط نہ ہو سکا ثریا بیگم کے کمرے میں پہنچی۔ ثریا بیگم پلنگ پر پیر لٹکائے بیٹھی تھی جمیلہ کو دیکھا اور منہ پھیر لیا۔ جمیلہ کو ایسا معلوم ہوا کہ اُسکے دل کی حرکت بند ہو گئی اپنے کو سنبھالا اور دوڑ کر ثریا بیگم سے لپٹ گئی۔ زار قطار رونے لگی اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

جمیلہ:۔ دادی اماں میرا دل ٹوٹ جائے گا۔ آپ کیوں ناراض ہیں۔ میری خطا تو بتائیے۔"

ثریا بیگم۔ (رکھائی سے) کچھ نہیں جمیلہ تمھاری تقصیر نہیں میری ہی خطا ہے غضب خدا کا۔ سامنے یہ حالت پیچھے یہ کیفیت ایک خط بھیجنے کی بھی توفیق نہ ہوئی۔"

جمیلہ۔ (بیتاب ہو کر) الٰہی خیر۔ دادی اماں۔ خدا گواہ ہے میں نے دوسرے روز برابر آپ کو خط بھیجا۔"

ثریا بیگم:۔ خیر تو میں جھوٹ بولتی ہوں۔ چلو تمھاری محبت میں جھوٹی تو بنی۔"

جمیلہ:۔ دادی اماں۔ آپ کو۔ کیا ہو گیا۔ کیا آپ خفا ہی رہیں گی دادی اماں۔ قصور ہوا معاف کیجیے۔ خطا ہوئی بخش دیجیے دادی اماں میں کس طرح یقین دلاؤں آپ کو کہ میں نے آپکو خط لکھے۔ خطوں کی نقلیں میری کاپی میں موجود ہیں دیکھ لیجیے

استانی صاحبہ سے پوچھ لیجیے۔ میں ان کو لکھکر دے دیتی تھی۔ آپ کا کوئی خط نہیں آیا دادی اماں آپ تو بہت روز سے مجھ سے ناراض ہیں یہاں سے جاتے وقت تو آپ نے وعدہ فرمایا تھا۔ خط بھیجنے کا۔ مگر کوئی بھی نہ آیا؟"

ثریا بیگم۔ (تعجب سے)" کیا میرا کوئی خط تمھیں نہیں ملا۔ کیسے یقین کروں اچھا اپنی کاپی تو لاؤ"

جمیلہ نے اپنی کاپی لاکر ثریا بیگم کو دکھلائی ہر ایک خط کی جو جمیلہ نے لکھا تھا نقل موجود تھی

ثریا بیگم کا خیال معاً حمیدہ کے خط کی طرف گیا جانتی تو تھی ہی کہ حمیدہ جمیلہ سے خوش نہیں اس کو یقین ہو گیا کہ ضرور حمیدہ نے کچھ کارستانی کی ہے۔ جمیلہ کو گلے لگایا۔ پیار کیا۔ کہا۔

ثریا بیگم۔" پیاری بیٹی تم سچ کہتی ہو۔ مجھے تم سے ضرور رنج تھا مگر اب دل صاف ہو۔ میں سمجھ گئی جسکی یہ شرارت ہے توبہ۔ توبہ۔ بڑھاپے نے میری عقل بھی کھو دی۔ تم سے بدگمانی ہو گئی۔ مگر آخر کس طرح جانتی کہ تم نے خط لکھے اور مجھ تک نہ پہنچے تم اپنا دل برا نہ کرو۔ میری اچھی بیٹی "

جمیلہ رو رہی تھی۔ ثریا بیگم نے بار بار پیار کیا۔ اپنے ہاتھ سے آنسو پونچھے۔ جمیلہ نے اطمینان کی سانس بھری۔

رات کو سلیمان شکار سے واپس آیا تو سیدھا ماں کی آمد کا حال

ثریا بیگم کے پاس آیا۔ بیٹے نے ماں کو سلام کیا۔ ماں نے جھٹ جھٹ بلائیں لیں۔ ادھر ادھر کی باتچیت ہوئی۔ دوران گفتگو میں سلیمان نے کہا۔

سلیمان: اماں جان۔ آپ نے خط کا حال بھی سنا؟

ثریا بیگم: ہاں۔ مگر جمیلہ بے قصور ہے؟

سلیمان: بیشک۔ آپ کو یہ حال کس سے معلوم ہوا؟

ثریا بیگم: معلوم میں نے خود جمیلہ سے پوچھا تھا۔

سلیمان: [illegible] جمیلہ سے اماں جان۔ غضب ہو گیا۔

ثریا بیگم: کیوں۔ کیوں کیا قیامت ہوئی؟

سلیمان: وہ دوسرے جمیلہ کا لکھا ہوا ہی نہیں۔ میں کیا اس کا خط نہیں پہچانتا تھا۔

ثریا بیگم: (حیران ہو کر) یہ کیا۔ لکھا ہوا ہی نہیں؟

سلیمان نے پادری صاحب کے خط کا مفصل حال بیان کیا۔ جسے سنکر ثریا بیگم چونک پڑی۔ اس کو اب تک یہی خیال تھا کہ سلیمان جمیلہ کے خط نہ بھیجنے کی بابت کہتا ہے۔ خط منگوا کر دیکھا اور دیکھتے ہی چلائی۔

ثریا بیگم: بیٹا ہو نہ ہو یہ خط تو صاف استانی کا ہے۔ تو۔ میں کیا محمدی خانم کے خط کو پہچانتی نہیں لڑکیوں میں سے کسی کا خط نہیں۔

سلیمان: کیا۔ اماں جان۔ ان استانی کا۔ یہ جو دہلی سے آئی ہیں

ثریا بیگم: "ٹھیک انھیں کا ہے - اگر اُن کا خط ہو تو میں ہاتھ قلم کرا دوں"

سلیمان: "مگر اماں جان اُستانی کا اس حرکت سے مطلب؟"

ثریا بیگم: "خدا جانے کیا اسرار ہے"

سلیمان تو سے جب ثریا بیگم نے خطوں کا حال بیان کیا سنتے ہی آگ بگولہ ہو گیا - چلایا -

سلیمان: "نصیبن - نصیبن"

نصیبن: "جی سرکار - حاضر"

سلیمان: "استانی کو بھیجو - تمھاری ضرورت نہیں - جلد بھیجو"

اُستانی صاحبہ کمرے میں آئیں تو ثریا بیگم اور سلیمان کے چہروں کی حالت دیکھکر دھک سے رہگئیں - مارے خوف کے کانپنے لگی - خیال آتے ہی کہ راز فاش ہو گیا زمین نے پاؤں پکڑ لیے - سلیمان نے کہا -

سلیمان - (ڈانٹ کر) کیوں اُستانی - یہ کیا حرکت ہے - پاندی جمیلہ کو کیوں خط لکھا تھے "

ثریا بیگم: "اور یہ جمیلہ کے خط تمنے کیا کیے - اور میرے خط کہاں گئے جواب دو - صاف صاف کہدو اسی میں خیر ہے - ورنہ تمھیں برا کوئی نہ ہوگا"

اُستانی: "حضور - منجھلی صاحبزادی نے مجھ سے خط لکھوایا تھا انھوں نے لکھدیا - جمیلہ کے خط بھی آپ کے پاس موجود ہیں"

یہ سنکر سلیمان کی آنکھوں میں خون اُتر آیا - قریب تھا کہ استانی کی

مگر ماں نے اس کی طرف دیکھا اور یہ دم بخود رہ گیا۔

سلیمان: اچھا استانی صاحبہ۔ روپیہ کی تھیلی پھینک کر یہ لیجیے
پچاس روپیہ۔ آپ صبح ہونے سے پہلے پہلے میرے گھر سے
نکل جائیے۔"

ثریا بیگم: بڑے افسوس کی بات ہے تم نے دہلی کو بدنام کیا۔ ایسی نمک حرامی
پر کمر باندھی۔ ذرا سی بچی حمیدہ کی باتوں میں آگئیں۔ سمجھایا
گیا۔ اُلٹے خود نا سمجھ ہو گئیں۔ بہتر ہے آپ اپنے گھر
چلی جائیں"

استانی کچھ نہ بولی۔ سلیمان کے چہرہ پر کن انکھیوں سے نظر ڈالتی تھی
اور کانپ اُٹھتی تھی۔ روپیہ اُٹھا کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

ثریا بیگم نے سلیمان کو سمجھایا کہ استانی دیکھ بھال کر رکھنا چاہیے تھی۔ تم نے
بہت جلد بازی کی انتخاب میں۔ اور جلد بازی کا نتیجہ دیکھ لیا۔ سلیمان
کو حمیدہ پر سخت غصہ آرہا تھا۔ چاہتا تھا کہ دل کھول کر سزا دے۔ مگر ثریا بیگم
نے منع کر دیا کہا اس سے کچھ فائدہ نہیں۔ حمیدہ کو سزا دینا عبث ہے
اسکے مزاج میں مدت سے جمیلہ کی طرف سے کینہ ہے۔ سزا سے ہرگز دور
نہ ہوگا۔ حمیدہ جمیلہ کی دشمن ہے میں خوب جانتی ہوں۔ بہتر ہے کہ جمیلہ کو
دشمن کی زد سے باہر کر دیا جائے۔ میں جبتک زندہ ہوں جمیلہ کی
حفاظت آنکھ کی پتلی کی طرح ہے۔ مگر میری آنکھ بند ہوتے ہی یہ گھر جمیلہ کے
لیے دوزخ سے بدتر ہوگا

اس بیے میں اس لاوارث یتیم بچی کے نام جو مجکو بیٹی سے زیادہ عزیز ہو اپنی نصف جائداد یا پانچ ہزار روپیہ سالانہ منافع کی کیے دیتی ہوں۔ جمیلہ کا ہمپر حق ہو اسکا میرے بعد تمپر حق ہے۔

سلیمان۔ ہاں بیشک۔ میں پانچ ہزار روپیہ اس کے نام بنک میں جمع کردونگا۔ واقعی اس کا حمیدہ کے ساتھ رہنا بہت مشکل ہے۔

ثریا بیگم نے سلیمان کو دعائیں دیں اور اسی ہفتہ کے اندر اندر اپنی نصف جائداد جمیلہ کے نام کرادی۔ اور کاغذات جمیلہ کے حوالے کیے۔ جس نے ثریا بیگم کی طرف دیکھا اور آنکھیں نیچی کرلیں۔ جمیلہ پر ثریا بیگم کی پہلی ہی کیا کم عنایتیں تھیں۔ اس بار احسان نے اس کو بالکل دبا دیا۔ وہ کچھ نہ کہہ سکی۔ شکریہ کا ایک لفظ اس کی زبان سے نہ نکلا۔ اسکا دل بھر آیا اور آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ اس کا نازک دل اتنے بڑے احسان کا متحمل نہ ہوسکا۔ روتی ہوئی اندر اپنے کمرے میں اٹھکر چلی گئی۔ ثریا بیگم کی ہمت دیکھو اور سلیمان کا دل۔ یہ لوگ ہیں جنکی بدولت لاوارثوں پر ماں باپ سے سوا مہربان ہیں۔

باب نہم

موت کا خیال کبھی نہ کبھی ہر شخص کو آتا ہے۔ اس میں خواہ غریب ہو خواہ امیر زندگی سب کو پیاری ہے۔ بادشاہ ہو یا فقیر۔ مرنا کوئی پسند نہیں کرتا۔ بادشاہ اپنا تاج دیکھتا ہے اور خوش ہوتا ہے۔ اپنے تخت پر نگاہ ڈالتا ہے اور خوشی سے پھول جاتا ہے۔ فقیر اپنے کاسہ گدائی پر خیال کرتا ہے اور مگن ہو جاتا ہے اپنے بوریے کو دیکھتا ہے اور جامے سے باہر ہو جاتا ہے۔ موت کا خیال دونوں کو یکساں رنج دیتا ہے۔ ایک کو اپنے شال چھوڑنے کا قلق ایک کو اپنی کھال سے محروم ہونے کا رنج۔

کیسا ہی امیرانہ ٹھاٹھ کیوں نہ ہو۔ موت کا خیال آتے ہی تکلیف کا باعث ہو جاتا ہے۔ جبکہ دنیا سے جتنا زیادہ تعلق اس کو موت سے اتنی ہی زیادہ نفرت مصیبت زدہ تو کبھی نہ کبھی اپنی تکلیف سے تنگ آ کر موت سے بے خوف ہو بھی جاتا ہے مگر عیش و آرام کے بندے موت سے بید کی طرح لرزتے ہیں۔ موت کا کھٹکا لگام کی طرح انسان کو عیش و نشاط میں ضرورت سے زیادہ منہ زوری نہیں کرنے دیتا۔ شراب نوشی سے بجز دولی انسان کو طرح طرح کی بد احتیاطیوں

اور بے عنوانیوں کی صلاح دیتا ہے مگر موت کی بھیانک شکل سامنے آکر سب ناجائز منصوبے خاک میں ملا دیتی ہے۔ ظالم ظلم میں حد سے تجاوز کرنا چاہتا ہے مگر موت ہاتھ روک دیتی ہے زبردست زبردستی میں پانوں پھیلانا چاہتا ہے مگر موت کا خیال قدم ڈگمگا دیتا ہے جو نیک ہیں دن میں کم از کم یکبار موت کو ضرور یاد کر لیتے ہیں۔ تاکہ دنیا کی ظاہری چمک دمک اُن کو عاقبت سے غافل نہ کر دے۔ جو اللہ کے پیارے فرمانبردار بندے ہیں رنج و راحت میں موت کو نہیں بھولتے تاکہ دنیا کی ناپائدار خوشیاں روح کے اصلی وطن کی محبت کم نکر دیں
ثریا بیگم اللہ کے ایسے ہی نیک بندوں میں تھی۔ اس کی عمر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ مگر وہ موت سے ڈرتی نہ تھی۔ تمام عمر اس نے شوہر کی خدمت گذاری۔ بیٹے کی محبت۔ عزیز و اقارب کی الفت۔ غیروں کی ہمدردی میں بسر کی تھی۔ بڑے بڑے عیش دیکھے مگر خدا کی عبادت سے غفلت نہ کی۔ بڑی بڑی مصیبتیں جھیلیں مگر خدا پر تکیہ نہ چھوڑا۔ اب اس کی عمر ساٹھ برس سے زیادہ ہو چکی تھی۔ ضعف و ناطاقتی دن بدن بڑھتی جاتی تھی۔ طرح طرح کے عوارض آئے دن لاحق رہتے تھے۔ سرو سا قد کمان ہو گیا تھا۔ وہی ثریا بیگم جو جوانی میں اپنی آپ نظیر تھی اب بڑھاپے میں عبرت کی تصویر تھی۔ بڑھاپے نے سہارے کے لیے ہاتھ میں عصا دے دیا تھا۔ کہ پہلی منزل تک اس کے سہارے سے جا پہنچے۔ کبھی پائیں باغ جو جوانی میں ثریا بیگم کو دنیا کی خوبصورتی

کام نہیں کرتا تھا اپنے رب کو بہشت کے بارے یاد دلاتا تھا۔

ثریا بیگم موت سے ڈرتی نہ تھی مگر کبھی کبھی سلیمان سے جدا ہونے کا رنج اسکو زندگی کا آرزومند بنا دیتا تھا۔ سنا تھا کہ مرتے وقت سخت تکلیف ہوتی ہے اور کبھی کبھی فکرمند ہو جاتی تھی مگر ایک اسکی پرانی رفیق اس ضعیفی میں بھی اسکے پاس تھی جو اسکو دلاسا۔ تسلی دیتی تھی وہ کون رفیق تھی۔ وہی امید۔ امید جسنے سلیمان کی جدائی میں اس کی ڈھارس بندھائی امید جس نے مصیبت میں ہمیشہ اس کا ساتھ دیا۔ اس کو مرنے کے بعد اپنے پیارے شوہر سے ملنے کی امید تھی اسکو پھر اس کے دیکھنے کی امید تھی جسکو خدا نے اس سے پہلے اپنے پاس بلا لیا تھا۔ اس کی بدولت ثریا بیگم موت کے انتظار میں تھی اور خوش تھی۔ دنیا سے جاتی تھی مگر ہنستی تھی۔

جمیلہ جسکو ثریا بیگم نے بڑی محبت اور شفقت سے پالا تھا۔ اسکی ضعیفی میں آٹھ پہر کی مددگار تھی۔

شام کا وقت تھا ثریا بیگم اور جمیلہ پر سورج کی سنہری کرنیں پڑ رہی تھیں۔ ثریا بیگم نے جمیلہ سے کہا۔

"مجھے پیاری بیٹی ... کا حیرت انگیز چراغ دامن مغرب سے نکل کر ... دیکھو اور غور کرو یہ ڈوبتا ہوا سورج۔ انسانی زندگی کی ہوبہو تصویر ہے۔ سمجھو کہ صبح کس آب و تاب سے نکلا تھا۔ تمام عالم کو اپنی نورانی

شعاعوں سے منور کر دیا۔ دوپہر کو کس عروج پہ تھا۔ اب کیا کیفیت ہے۔ دیکھو اب اس میں نہ وہ چمک باقی ہے نہ وہ نور۔ یہی حال انسان کی زندگی کا ہے۔ سورج کی تین حالتیں انسانی زندگی کی تین حالتوں کا صحیح مرقع ہے۔ بچپن پر خیال کرو۔ اور بے فکری پر اس وقت تمام دنیا کیسی روشن معلوم ہوتی ہے۔ ہر چیز کیسا دل بھاتی ہے۔ جوانی پر نگاہ کرو۔ اور دل خوش کن خیالات پہ خون فرط مسرت سے رگوں میں کودتا پھرتا ہے۔ آنکھیں نشۂ جوانی سے کیسی مخمور رہتی ہیں۔ بڑھاپے کی طرف دیکھو اور جسم کی حالت یہ۔ دل کی کیفیت یہ۔ نہ جسم میں جان نہ دل میں ارمان۔

پیاری بیٹی! میری دلاری جمیلہ۔ میری عمر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے عنقریب چھلکنے والا ہے۔ تمہاری محبت کرنے والی دادی اماں بہت جلد ایک نئی دنیا میں جانے والی ہے۔ جہاں تمہارے رونے پیٹنے کی آواز نہیں پہنچ سکتی جہاں سے وہ پھر کسی طرح تمہیں کلیجہ سے لگانے نہیں آسکتی۔

اس عالم سے وہ دنیا بدرجہا بہتر ہے۔ وہاں کی خوبیاں فانی انسان کی زبان سے بیان نہیں ہوسکتیں۔ وہاں کی نعمتیں انسان ضعیف البنیان کی وہم و گمان سے باہر

ہیں۔ وہاں کا عیش حقیقی عیش ہے۔ وہاں کی خوشی سچی خوشی
ہے۔ دنیا میں عیش کے ساتھ مصیبت کا کھٹکا لگا ہوا ہے۔
یہاں کی خوشی کے دامن میں رنج کا کانٹا ہے وہاں کی
زندگی ہمیشہ کی زندگی ہے۔ وہاں کا عیش خار غم سے آزاد
ہے۔ یہ وہ راحت ہے جو جان سے پیاری چیز۔
زندگی سی عزیز شے دیگر میسر آتی ہے یہ وہ عیش ہے جو
تمام دنیاوی تعلقات سے بے خبر کر دیتا ہے۔ وہ نشہ ہے
جو تمام دنیاوی افکار سے ہمیشہ کے لیے غافل بنا دیتا ہے۔
پیاری جمیلہ اس دولت۔ اس راحت کا حاصل کرنا بہت
آسان ہے۔ پاک دامنی اس خزانے کی کنجی ہے۔ خدا ترسی
اس راحت کے گنج حاصل ہونے کی کلید ہے۔ خدا کی عبادت
سے غافل نہ ہونا۔ دنیا میں پیار محبت سے بسر کرنا۔ چھوٹوں
پر شفقت۔ بڑوں کا ادب کرنا۔ بلاشبہ اس جہاں میں
پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ پیاری بیٹی جاں سے زیادہ عزیز جمیلہ
یہ اس کے خیالات ہیں جو بہت جلد تم سے جدا ہو جائے گی۔
سنو۔ اور عمل کرو۔ تم ابھی بچی ہو۔ دنیا کے اتار چڑھاؤ سے
بے خبر ہو۔ دیکھو دنیا ایسی خوبصورت نہیں جیسی کہ نظر آتی ہے۔
ہر پھول کے ساتھ کانٹا ہے اس دنیا میں صرف انسان ہی
نہیں بستے بلکہ ہیں سب فرشتے نہیں غول بیابانی

بھی ہیں۔ ملو دیکھ کر ملو۔ چلو مگر سنبھل کر چلو۔ دنیا مثل ایک
تاریک جنگل کے ہے۔ جسمیں بے شمار درندے۔ ہزاروں
خاردار جھاڑیاں۔ بہت سے پوشیدہ گڑھے۔ سینکڑوں
ناہموار ٹیلے ہیں۔ اس جنگل سے گذرنا ہر انسان کے لیے
ضروری ہے۔ ہر بشر پر فرض ہے۔

تم بھی چلو مگر عفت کا چراغ ہاتھ میں لیکر چلو۔ خدا ترسی کی
شمع جلا کر بڑھو۔ محبت کی مشعل ہاتھ میں تھامو۔ تاکہ درندے
مشعل سے خائف ہو کر تم سے دور دور رہیں۔ تاکہ چراغ کی
روشنی کی بدولت جھاڑیوں کے کانٹوں سے تمھارے
دامن نہ الجھیں۔ تاکہ شمع کی روشنی تمہیں گڑھوں میں نہ
گرنے دے۔ ناہموار ٹیلوں سے ٹھوکر نہ لگے۔ پیاری بیٹی
درندے مفسد لوگ ہیں۔ جھاڑیاں دنیاوی برائیاں ہیں۔
گڑھے لالچ اور خود غرضی جیسے عیوب کا نام ہے۔ پیاری بیٹی
جو اس خوفناک جنگل سے صحیح و سلامت گذر جاتے ہیں۔ جو
ان تمام رکاوٹوں سے ہمت نہیں ہارتے اور یہ بھیانک
جنگل طے کر جاتے ہیں وہ دوسری طرف اُس دنیا میں پہنچتے
ہیں جہاں کا عیش دائمی عیش ہے۔

پیاری بیٹی تم نہ روؤ۔ میری باتوں پر آنسو نہ بہاؤ بلکہ
کان دھر کر سنو اور دل سے عمل کرو۔ میں تم سے کیا عجب کہ

ستی بہشت کے اندر ہی اندر جدا ہو جاؤں - میرا مرنا یقینی ہے -
مجھے بہشت کے دروازے دکھائی دیتے ہیں - میں نے اپنے
مقدور بھر تمکو پڑھایا جو کچھ جانتی تھی سکھایا - خدا کا شکر ہے
کہ میری تعلیم و تربیت اکارت نہ گئی - میں جیسا تمکو بنانا
چاہتی تھی تم ویسی ہی ہو - نیک ہو - با ادب ہو - منکسر ہو
دوسروں کی غمخوار ہو - عزیزوں کی خدمت گذار ہو - مگر دیکھو
شادی کے بعد تمھاری دوسری زندگی ہوگی - شوہر کی محبت
تمکو خدا سے غافل نہ کرنے - اولاد کی الفت نا انصاف
نہ بنا دے پیاری بیٹی مجھے یقین ہے کہ میری تعلیم اور تربیت
کا اثر تمھارے دل سے کبھی زائل نہ ہوگا - تم خوش ہو
کہ تم ہر طرح پر لائق اور فائق ہو - مگر خدا سے ہمیشہ ڈرتی رہو -
اپنے کو دوسروں سے بہتر نہ سمجھو - تم دنیا میں میرے پاس
اکیلی آئیں اور میں تمھیں دنیا میں علم جیسا دوست - ہمدردی
جیسی سہیلی - نیک خیالی جیسی خادمہ دیکر جاتی ہوں -
بلقیس نے تمکو کئی برس بڑی محبت سے رکھا - زہرہ نے اب تک
ہر معاملہ میں تمھارا ساتھ دیا ان کو نہ بھولنا - حمیدہ بڑی ہو
اس سے برائی ظاہر ہوتی ہے تم نیک ہو نیکی دکھلاؤ - میری
حمیدہ تمکو اپنے اصلی ماں باپ یاد آتے ہونگے اور ضرور یاد آنا
چاہئیں - مگر ان کی یاد تمکو محسنوں کی احسان فراموش نہ بنا دے

اُنکا خیال سلیمان کی طرف سے مجھے غافل نہ کردے ۔
تمھاری ماں دنیا میں نہیں وہ تجھے بہشت میں ملے گی تمھارے
باپ دنیا میں موجود ہیں گو کسی کو معلوم نہیں کہ کہاں ۔ کوئی
انسانی قوت ۔ کوئی بشری طاقت تمکو باپ سے نہیں
ملا سکتی ۔ مگر ہاں خدا کو سب کچھ قدرت ہے وہ
جامع المتفرقین ہے ۔ کیا عجب تمکو اُس تک
پہنچا دے ......"

مغرب کی نماز کا وقت تنگ ہوا جاتا تھا ثریا بیگم اور جمیلہ نے نماز
ادا کی ۔ جمیلہ کو آج نماز میں غیر معمولی استغراق تھا دل میں غیر معمولی
روشنی تھی ۔ سچ ہے ۔ نیک خاتون ہدایت کا فرشتہ ہو ۔
ثریا بیگم کی حالت دن بدن ردی ہوتی جاتی تھی جمیلہ ہر وقت
خدمت میں سرگرم رہتی ۔ دن کو دن اور رات کو رات نہ سمجھتی ۔
ضعف سے ثریا بیگم کو ذرا غفلت ہوتی اور جمیلہ رو رو کر برا حال کر لیتی
بیماری ذرا زور پکڑتی اور جمیلہ بے چین ہو جاتی ۔ ثریا بیگم سے زیادہ جمیلہ
کا کون مددگار و معاون تھا ۔ اس سے زیادہ دنیا میں اسکا کون غمخوار
تھا ۔ پھر اس کو بستر مرگ پر دیکھتی اور بیقرار نہ ہوتی ۔ جمیلہ محبت والی
لڑکی تھی ثریا بیگم سے اُسے قلبی محبت تھی دنیا میں اُس سے زیادہ
کوئی بھی اُسکو پیاری نہ تھی ۔ پھر ایسی پیاری سے جدائی کا سامان ہو اور
نہ روئے ۔ ایسے محسن سے ہمیشہ کے لیے چھٹے اور نہ تڑپے ۔ کیونکر ممکن ہو سلیمان

بلقیس، زہرہ حمیدہ سب ثریا بیگم کی زندگی سے مایوس ہوگئے۔ سلیمان کا بُرا
حال تھا۔ ماں کی جدائی کے خیال سے کلیجہ شق ہوا جاتا تھا۔ بلقیس ایسی
فرشتہ خصال اپنی اور پر جان دینے والی ساس کو دنیا سے جاتے دیکھکر
بے حد رنجیدہ تھی۔ زہرہ اپنی پیاری دادی اماں کی زار حالت دیکھکر
بلک بلک کر رو رہی تھی۔ حمیدہ دادی اماں کی کیفیت سے بہت ملول
تھی۔ مگر موت کو اتنے غمزدوں پر رحم نہ آیا اور ثریا بیگم کو زبردستی سب سے
ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جدا کر دیا۔

ثریا بیگم کی موت سے گھر میں کہرام مچ گیا۔ وہی مکان جو آرام و راحت
کا گھر تھا ماتم کدہ بن گیا۔ ثریا بیگم دنیا سے اُٹھ گئی اور مسکین جمیلہ کو آٹھ آٹھ
آنسو رونے کے لیے چھوڑ گئی۔ ثریا بیگم میں جبتک سانس تھی جمیلہ کو
ہر قسم کی بیفکری تھی اسکے مرنے سے بیچاری پر رنج کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔
رقیہ طرح طرح سے سمجھاتی تھی مگر جمیلہ کو صبر نہ آتا تھا ثریا بیگم کی محبت اُن کی
عنایتیں۔ اسکے احسانات جمیلہ کو بار بار یاد آکر بیقرار کر دیتے تھے۔
سوائے رقیہ کے اور کون جمیلہ کو سمجھاتا۔ سب اپنے اپنے غم میں مبتلا تھے۔
ثریا بیگم کی موت معمولی حادثہ نہ تھا۔ گھر بھر آدمیوں سے بھرا تھا مگر خالی
معلوم دیتا تھا۔ ایک ثریا بیگم کے نہ ہونے سے در و دیوار سے وحشت برستی
تھی۔

سلیمان کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ ماں کی موت سے زندگی تلخ ہوگئی تھی۔
سوتے جاگتے ماں ہی کا خیال تھا۔ مرنے سے ایک روز پہلے ثریا بیگم نے

جمیلہ اور حمیدہ میں ملاپ کرادیا تھا۔ سلیمان کو جمیلہ کو پیار و محبت سے
رکھنے کے لیے تاکید کرگئی تھی۔ حمیدہ جہلم تک جمیلہ سے اچھی طرح ملتی رہی
جمیلہ بیچاری سمجھی کہ اب حمیدہ ہمیشہ ایسا ہی برتاؤ رکھے گی مگر توبہ توبہ
حمیدہ سے یہ بہت بعید تھا۔ ادھر جہلم ہوا اُدھر وہی اگلی سی حالت
ہو گئی۔

خدا جانے کس طرح حمیدہ کو معلوم ہو گیا کہ ثریا بیگم اپنی نصف جائداد جمیلہ
کے نام کر گئی ہیں بس پھر کیا تھا۔ اُس سے زیادہ کوئی دشمن جمیلہ کا نہ تھا
دو تین ہفتے ہی میں جمیلہ کو زندگی سے بیزار کر دیا۔ جمیلہ کو گھر میں رہنا
دوبھر ہو گیا۔ رقیہ سے صلاح لی کہ کیا کرے۔ اس نے کہا کہ سلیمان سے
شکایت کی جائے بلقیس کو اطلاع دی جائے مگر جمیلہ نے دونوں باتوں
کے کرنے سے انکار کیا اور یہی کہا کہ بہن اب اس گھر میں میرا رہنا
سب کی راحت میں خلل ڈالتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اب میں یہاں سے
کسی اور جگہ چلی جاؤں۔ مگر یہ چاہتی ہوں کہ کسی کو میرا پتہ نہ معلوم ہو۔
تمہاری کیا صلاح ہے۔ بہت بحث و مباحثہ کے بعد یہ قرار پایا کہ جمشید کو
ہمراز دار بنایا جاوے اور اُس کی مدد سے کسی اور شہر میں بود و باش
اختیار کی جاوے۔ جمیلہ نے مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ اب حمیدہ کے گھر
نہ رہے گی۔ اُس نے جمشید کو جسکو وہ جمشید چچا کہتی تھی اور جسکی
خیر خواہی اور خدا ترسی سے بخوبی واقف تھی۔ بُلا کر چپکے چپکے اپنی
مصیبت کا حال کہہ سنایا۔ جمشید تھوڑے سکوت کے بعد راضی ہو گیا اور چنانچہ

[illegible]

تھا کہ فاطمہ خود حید میں ہے اور اس کے اپنے خیال میں فاطمہ سے بہتر کوئی
نہ تھا جو جمیلہ کو محبت سے رکھتا۔ جمیلہ نے اپنے چلنے کا سب انتظام کر لیا
رقیہ ساتھ جانے کے لیے تیار تھی۔ جس روز رات کو جانے والی تھی
اس نے چار خط لکھے اور چاروں ایک لفافہ میں بند کر کے میز پر رکھ دیئے
سلیمان کے خط میں یہ لکھا تھا اپنے جانے کی وجہ لکھی تھی۔ اس کی
موجودگی سے روز نئے جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔ ایک جگہ یہ بھی لکھا
کہ میری تلاش کرنا فضول ہے میں ہرگز ہرگز کسی کو نہیں مل سکتی۔
حمیدہ کو جو خط جمیلہ نے لکھا تھا اس کا مضمون حسب ذیل تھا۔

میری پیاری حمیدہ

میں نہایت افسوس کے ساتھ لکھنے پر مجبور ہوں کہ اب میرا گذارا آپ کے
یہاں نہیں ہو سکتا۔ آپ کی مہربانیوں کی میں مشکور ہوں اور آپ کی
محبت کی ممنون ہوں۔ اس گھر کو چھوڑتے ہوئے دادی اماں مرحومہ
کی بدولت اتنے دن آرام پایا تھا چھوڑتے ہوئے بہت دکھ ہوتا ہے۔

آپ کی خیر اندیش

بدنصیب جمیلہ

ایک خط ملکہ بیگم کے نام تھا جس کے حرف حرف سے شکر گذاری ٹپکتی تھی
اور ایک دو سطروں کا پرچہ زہرہ کے نام تھا۔ وہ دو سطریں یہ تھیں۔
پیاری زہرہ میں تم سے جدا ہوتی ہوں شاید ہمیشہ کے لیے۔ تمہاری

عنائتوں اور محبت کی یاد میرے دل سے کبھی نہ جائے گی۔

میں ہوں تمھاری بہن

جمیلہ

جمشید تیار تھا سلیمان کسی دعوت میں گیا ہوا تھا اس سے بہتر موقعہ نہ تھا۔ دونوں جمیلہ اور رقیہ جمشید کو ساتھ لیکر خورجہ کی طرف روانہ ہو گئیں۔ چلتے وقت جمیلہ نے ایک نظر باغ پر ڈالی اور ایک نظر اپنی بچھڑی ہوئی دادی اماں کے کمرے پر!!!

مگر آہ! اس کی اس نظر میں اسکے دلی جذبات دکھائی دیتے تھے۔ اس نگاہ سے رنج و غم برستا تھا۔

جمیلہ اور رقیہ چلی گئیں۔ زہرہ جمیلہ کا کمرہ خالی دیکھتی تھی اور زار زار روتی تھی۔ حمیدہ جمیلہ کا کمرہ دیکھتی تھی اور خوش ہوتی تھی۔ حمیدہ انسان نہ تھی۔ پتھر سے بدتر تھی۔ سنگدل۔

باب دہم

انسان کی طبیعت میں کچھ یہ بات داخل ہے کہ ہر مصیبت گذرنے کے بعد اس کو یہ خیال ہو جاتا ہے کہ اب آئندہ راحت ہی راحت ہے کسی اچانک حادثہ سے صحیح سلامت بچا اور خیال کیا کہ اب آگے چین ہی چین ہے۔ کسی مہلک عارضہ میں مبتلا ہو کر اچھا ہو جائے تو فوراً اس کے دل سے یہ بات اٹھتی ہے کہ اب کچھ روز بیماریوں سے امن رہے گا۔ آگ سے بچا ہے تو یقین کر بیٹھا ہے کہ اب آگ سے بچا رہے گا۔ پانی سے بچا ہے تو خیال گذرتا ہے کہ اب آئندہ نہ ڈوبے گا۔ غرضیکہ یہی حال تمام مصیبتوں کا ہے۔ ثریا بیگم کا انتقال بڑا سخت حادثہ تھا سلیمان پر اس صدمۂ جانکاہ کا بڑا گہرا اثر پڑا۔ مگر جیسا کہ انسان کا خاصہ ہے کچھ روز کے بعد اس کی طبیعت اصلی حالت پر آ گئی۔ ہر وقت کا رنج و غم نہ تھا۔ اس مصیبت کے گذرنے کے بعد سلیمان کو خیال ہو گیا کہ اب کچھ زمانہ وہ قید غم سے آزاد رہے گا۔ مگر دنیا میں رنج و غم کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔ بلکہ کچھ ایسا دیکھا گیا ہے کہ ایک مصیبت کے بعد کوئی دوسری مصیبت بہت تھوڑے فصل سے آ موجود ہوتی ہے۔ سلیمان کی طبیعت جیسا کہ اوپر

بیان ہوا اپنی زندگی شامت پر آگئی ہو۔ ثریا بیگم کے رنج میں ہر وقت ملول نہ تھا۔ ثریا بیگم کو گذرے ہوئے تین چار مہینے گذر چکے تھے۔

سلیمان حسب معمول سیر و شکار کو جانے لگا تھا۔ دعوتوں میں شریک ہوتا تھا حمیدہ کے چلے جانے کے بعد خوش خوش دعوت سے لوٹا۔ رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ آکر اپنے کمرے میں سو رہا۔ صبح کو ہشاش بشاش اٹھا۔ معمول کے موافق نماز و تلاوت سے فارغ ہو کر ڈاک دیکھنے بیٹھ گیا۔ خطوط پڑھکر اندر زنانخانہ میں گیا۔ بلقیس کو پلنگ پر پیر لٹکائے بیٹھے دیکھا۔ سر جھکا ہوا۔ پیروں میں خفیف جنبش۔ بلقیس نے سلیمان کے پیروں کی آہٹ سنی۔ سر اٹھایا۔ منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ایک رنگ آتا تھا۔ ایک رنگ جاتا تھا۔

سلیمان کو دیکھکر بلقیس سفید ہو گئی۔

سلیمان نے گھبرا کر پوچھا۔

سلیمان "ہیں خیر تو ہے۔ یہ تمہارا چہرہ کیوں اداس ہے"

بلقیس۔ (تھوڑے سکوت کے بعد) "آپ بیٹھئے تو۔ خود معلوم ہو جائے گا"

سلیمان کرسی گھسیٹ کر پاس ہی بیٹھ گیا۔ اسیوقت حمیدہ دروازے تک آئی اور لوٹنے لگی۔ سلیمان نے دیکھا تو اندر بلا لیا۔ حمیدہ نے آکر سلیمان کو سلام کیا اور بلقیس کے قریب پلنگ پر بیٹھ گئی۔ بلقیس کے سکوت کو دیکھکر سلیمان کے چہرہ پر نظر ڈالی۔ تھوڑی دیر میں سلیمان نے کہا

سلیمان ۔ "حمیدہ آج صبح ہی صبح تمہاری اماں جان اداس کیوں ہیں۔
کچھ تمھیں معلوم ہے"

حمیدہ ۔ "جی ہاں مجھے معلوم ہے۔ جمیلہ بہن کے لیئے پریشان
ہیں"

سلیمان ۔ "کیوں کیوں۔ جمیلہ اچھی تو ہے"

حمیدہ ۔ "جمیلہ بہن اور رقیہ تو رات سے غائب ہیں"

سلیمان ۔ (چونک کر) کیا۔ کیا کہا۔ کہاں غائب ہیں وہ"

حمیدہ ۔ "معلوم نہیں۔ کہیں چلی گئی ہونگی۔ ہاں اماں جان وہ خط تو
دیدیجیے ابا جان کو"

بلقیس نے سلیمان کو جمیلہ کا خط دیا۔ جوں جوں پڑھتا جاتا تھا چہرے پر
غصہ کی علامتیں بڑھتی جاتی تھیں۔ پڑھ چکا تو بلقیس سے کہا۔

سلیمان ۔ (زور سے) "تمھیں یہ خط کہاں ملا اور کب ملا"

بلقیس ۔ (دبی ہوئی آواز میں) "یہ دو خط تمہارے اور جمیلہ کی میز پر تھے۔
علے الصباح زہرہ نے لاکر مجھے دیئے"

سلیمان ۔ "کہاں ہیں وہ دوسرے خط۔ دکھلاؤ مجھے"

بلقیس نے حمیدہ سے کہا کہ زہرہ کا اور اپنا خط لاؤ۔ حمیدہ خطوط
لینے چلی گئی۔ تو سلیمان نے کہا۔

سلیمان ۔ "کیوں جی۔ یہ تمھیں خبر بھی نہ ہوئی اور جمیلہ گھر سے چلی گئی غضب
خدا کا متعدد نوکر چاکر اور یہ حالت۔ آخر تم تو

اسی گھر میں تھیں۔ تم نے جاتے نہ دیکھا۔

بلقیس۔ مجھے تو سرِ شام ہی سے کچھ ایسی نیند نے دبا سونگھا کہ صبح تک ہوش نہ ہوا۔ صبح معلوم ہوا۔ بڑے ستم کی بات ہے۔ حمیدہ کہتی ہے کہ رقیّہ اُس کو شہ دے گئی۔"

سلیمان۔ خدا لگتی کہتی ہے حمیدہ۔ یہ اُسی کا تو فساد ہے سارا۔ کمبخت نے آخر نکال ہی کر چھوڑا۔ وہ تو اماں جان ہی نے پیشین گوئی کی تھی کہ اُن کے بعد یہ گھر جمیلہ کے لیے دوزخ سے بدتر ہو جائے گا۔"

بلقیس۔ حمیدہ بیچاری کو تو خبر ہی نہیں اُسے تو صبح ہی معلوم ہوا۔"

سلیمان۔ بس رہنے دو۔ تمہارے لاڈ پیار ہی نے تو اُسے خراب کیا۔ ہائے ہائے جمیلہ کو بہت ہی تنگ کیا ہوگا جو چلی گئی۔ لاوارث بچی پر یہ ظلم۔ ہم پر خدا کا عذاب کیوں نہ نازل ہو۔"

بلقیس۔ مجھ سے قسم لے لیجیے۔ جمیلہ نے جو کبھی مجھ سے حمیدہ کی شکایت کی ہو۔ خدا جانے آپ کو کیسے خیال ہو گیا ہے۔"

سلیمان۔ جمیلہ اور کسی کی شکایت کرے۔ توبہ توبہ۔ آخر تم گھر ہی میں ہر وقت رہتی تھیں تمھیں نہ معلوم ہوا۔"

بلقیس۔ نہیں میں نے کبھی حمیدہ کو اور جمیلہ کو لڑتے نہیں دیکھا۔ ہاں اکثر حمیدہ کی شکایت کرتی تھی کہ وہ جمیلہ کو ستاتی ہے۔ مگر میں نے جب پوچھا جمیلہ نے یہی کہا کہ نہیں تو۔"

حمیدہ سے اُسے کوئی رنج نہیں۔"

سلیمان "ہا۔ بڑی نیک لڑکی تھی جمیلہ۔ فرشتہ تھی فرشتہ۔ خدایا کیا کروں کہاں ڈھونڈوں۔ کس سے پوچھوں۔ شرم کی بات ہے"

بلقیس نے نوکرنیوں کو بلا کر دریافت کیا۔ سب نے لاعلمی ظاہر کی

سلیمان حالتِ انتشار میں باہر چلا آیا۔ احمد خاں کو بلایا پوچھا۔

سلیمان "کیوں۔ جمشید کہاں ہے۔ ذرا بلواؤ تو"

احمد خاں "جمشید کا تو رات سے پتہ نہیں۔ کہیں چلے گئے ہیں"

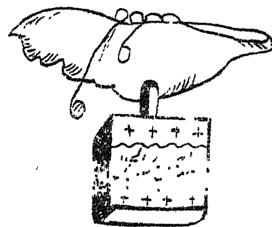
سلیمان "کس وقت سے نہیں ہیں"

احمد خاں "صبح اس طرف گیا تو ان کا کمرہ مقفل پایا۔ سائیس کہتا تھا کہ رات ہی سے پتہ نہیں۔ اُن کا"

سلیمان "اچھا خیر"

احمد خاں چلا گیا۔ سلیمان انتہا سے زیادہ پریشان تھا۔ رہ رہ کر جمیلہ یاد آتی تھی۔ حیرت میں تھا کہ آخر جا کہاں سکتی ہے۔ کبھی گھر میں جاتا بلقیس سے پوچھتا کبھی باہر آتا اور ٹہلنے لگتا سوچتا کہ خدایا نہ معلوم کہاں چلی گئی۔ رقیہ ساتھ ہے اور جمشید بھی کہیں چلا گیا۔ وہ پچھتاتا جمشید کو صلواتیں دیتا۔ کہیں جمشید بھی تو اُن کے ساتھ نہیں چلا گیا۔ مگر جمشید کبھی بغیر میری صلاح کے ایسا کرتا۔ ہائے ہائے جمیلہ نے بڑا صدمہ دیا۔ ہائے ہائے۔ مجھ سے تو تکلیف بیان کی ہوتی۔ مجھ سے تو کہا ہوتا۔ تو مدد کرتا تب ہی جاتی۔ اب کیا ہو سکتا ہے۔ ہائے جمیلہ بیٹی تجھ سے ایسی امید نہ تھی

مگر تو مجبور ہو گئی ہو گی۔ کوئی ایسی ہی مجبوری ہو گی جو مجھ سے اپنا جانا چھپایا۔ سلیمان زیادہ پریشان ہوا۔ تو جمیلہ کے کمرے میں پہنچا۔ کمرہ خالی دیکھکر دل بھر آیا۔ عالم اضطراب میں تمام الماریوں کی کتابیں الٹ پلٹ کیں۔ کتابوں کے پیچھے ایک پڑا ملا۔ ٹٹولا تو کوئی سخت چیز معلوم ہوئی۔ نکال کر دیکھا تو ایک سونے کا تعویذ تھا۔ اس شکل کا:-



غور سے پڑھا تو اوپر "امۃ الجمیل و کتب الجمال" کھدا ہوا تھا۔ بیجا کر بلقیس سے پوچھا کہ یہ کس کا تعویذ ہے۔

بلقیس نے تعویذ دیکھکر - یہ تو وہی تعویذ ہے جو جمیلہ کے گلے میں تھا جب فاطمہ لیکر آئی تھی۔ آپ کو کہاں ملا ہے۔

سلیمان - کتابوں کے پیچھے جمیلہ کی الماری میں تھا۔ بیٹی کے [illegible]

بلقیس - [illegible] جلدی میں جمیلہ بھول گئی۔ [illegible] لائیے مجھکو [illegible] اس تعویذ [illegible]

سلیمان - [illegible] گئی۔ تو [illegible]

نہ کر سکیں۔ جمیلہ ہی کی حفاظت نہ کی۔

بلقیس نے سلیمان کے چہرے کا اُتار چڑھاؤ دیکھ کر زیادہ کہنا مناسب نہ جانا۔ چُپ ہو گئی۔ سلیمان تعویذ لیے ہوئے باہر اپنے کمرے میں چلا آیا۔ بہت دیر تک تعویذ کو اُلٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔ دیکھتا اور ٹھنڈی سانسیں بھرتا۔ صندوقچے سے چاقو نکالکر ڈورا کاٹ کر علیحدہ کیا۔ جیب سے گھڑی نکالکر زنجیر میں تعویذ کو لٹکا لیا۔ سلیمان کو جمیلہ سے بہت محبت تھی۔ اس کی نشانی کو کیسے دل سے دور رکھتا۔ جمیلہ سلیمان کو بیٹیوں سے پیاری تھی۔

سچ ہے اچھی عادتیں غیروں کو اپنوں سے زیادہ بنا دیتی ہیں۔

جمشید پانچویں روز آیا۔ سیدھا سلیمان کے کمرے میں گیا۔ سلیمان اس وقت کسی کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھا۔ جمشید کے پیروں کی آہٹ سُنی تو سر اُٹھا کر دیکھا۔ جمشید کو دیکھا چونک پڑا۔

سلیمان "ہیں جمشید۔ کہاں تھے تم۔ اتنے روز تک۔ آخر کہاں غائب ہو گئے تھے۔ جمیلہ کو کہاں چھوڑا۔ تم نے غضب ہی کیا بغیر میری اطلاع کے چلے گئے"

جمشید "میں جہاں گیا تھا وہاں کا نام نہیں بتا سکتا۔ بیشک جمیلہ کو میں خود ایک جگہ پہونچا آیا ہوں۔ اور وہ جگہ یہاں سے کہیں بہتر ہی۔ وہاں جمیلہ زیادہ اطمینان سے رہے گی۔ رقیہ اُس کے ساتھ ہی اور دو تین اور عورتیں اس کی بھی ہمدرد

اور مددگار وہاں اُس کے پاس آٹھ پہر موجود رہتی ہیں۔

سلیمان :- (چین بجبیں ہو کر) یہ سب کچھ ہی مگر تم کو آخر کیا حق تھا کہ میری پیاری بیٹی کو مجھ سے جدا کر دو۔ مرد آدمی مجھ سے تو پوچھ لیا ہوتا آخر وہ گئی کیوں۔ اور تم کیوں لے گئے۔ کس نے کہا تھا تم سے میں نہ مانوں گا اِسی میں خیر ہے کہ میری جمیلہ کو لاؤ۔ واپس لاؤ ابھی جا کر "

جمشید :- میاں کیا باتیں کرتے ہو۔ میں کیا پاگل تھا کہ بلا ضرورت بلا ضرورت جمیلہ کو کہیں پہونچا دیتا۔ اُس نے مجھ سے مدد مانگی۔ اپنی تکلیف بیان کی۔ مجھے بھی تو آخر اس سے محبت ہے۔ میں اس کی تکلیف نہ دیکھ سکا۔ پھر علاوہ اسکے سرکار بیگم مرحومہ نے بھی ایک دفعہ مجھ سے کہا تھا کہ ممکن ہے کسی وقت جمیلہ کو ایک مددگار کی ضرورت ہو اگر ہو تو تمھیں مدد کرنا چاہیے۔ سرکار بیگم کو خدا جنت نصیب کرے۔ بڑی دور اندیش تھیں۔ جو کہا تھا وہی پیش آیا۔ مجھ سے جمیلہ نے مدد مانگی میں نے سرکار بیگم کی خواہش کے مطابق مدد کی۔ آپ کے ناراض ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ مجھے سرکار بیگم کی بات کا پاس تھا۔ میں نے جہاں مناسب سمجھا جمیلہ کو پہونچا دیا "

سلیمان :- (بگڑ کر) اچھا خیر۔ تو [illegible] بہت [illegible] اچھا کیا "

میں مشکور ہوں۔ مگر یہ بتانے میں کیوں تامل ہے کہ جمیلہ کہاں
کس جگہ پہنچا آئے۔ ایسی لمبی چوڑی تمہید کہتے ہو اور اصلی
بات بتاتے نہیں؟

جمشید:- نہیں میں آپ کو نہ بتاؤنگا کہ جمیلہ کہاں ہیں۔ میں قسم
کھا چکا ہوں اور دوسری یہ بات ہے کہ بالفرض آپ کو
معلوم بھی ہو گیا تو کچھ نتیجہ نہیں۔ وہ یہاں نہیں رہ سکتی اب
کسی طرح۔ آپ کو وجہ معلوم ہے"

سلیمان:- ہاں سب معلوم ہے۔ اچھا خیر اب تم جاؤ تم اپنا کام کرو
مگر سچ کہتا ہوں تم نے مجھے بہت رنج دیا۔

جمشید:- صحیح ہے مگر جمیلہ کو رات دن کے رنج و غم سے بچا لیا اب
وہ خوش ہے آپ کو بھی رنج کی کوئی وجہ نہیں"

سلیمان:- خیر۔ اسکا کہوں وجہ ہے۔ یا نہیں ہے۔ تم جاؤ
جمشید چلا گیا سلیمان کو جب یقین ہو گیا کہ جمشید جمیلہ کا پتہ نہ بتائیگا
اور جمیلہ کبھی نہ ملیگی تو بے اختیار زار زار رونے لگا۔ سلیمان
آخر شریف تھا۔ نیک تھا اس کا دل محبت سے معمور تھا۔ مدت تک
جمیلہ اس کے یہاں رہی تھی بچپن سے سلیمان کو اس سے دلی محبت
تھی اسکے اسطرح چلے جانے نے غریب کو بہت بڑا صدمہ دیا۔ جب
گھر میں آتا جمیلہ کو نہ پاکر مغموم ہو جاتا۔ اس کا کمرہ خالی دیکھکر پھوٹ پھوٹ
لگتی۔ جمیلہ کی تمام کتابیں۔ اس کے لکھنے پڑھنے کا سامان الغرض ہر شے

ادھر کا حال سنو۔ جمشید جمیلہ اور رقیہ کو لیکر راتوں رات ہاپوڑ جو میرٹھ سے پختہ سڑک پر گیارہ بارہ کوس کے فاصلہ پر واقع ہے پہنچا۔ کچھ دیر وہاں قیام کیا۔ دوسرے دن قریب دوپہر خورجہ پہنچا۔ خورجہ میں پہنچکر پریشان ہوا کہ فاطمہ کا پتہ کیسے لگائے۔ فاطمہ کے والد مولوی عبدالغنی صاحب مرحوم کا نام یاد تھا خورجہ میں ایسا کوئی بڈھا آدمی تھا جو مولوی صاحب کے نام سے واقف نہ ہو جمشید نے ایک بڑے میاں سے جو کچھ سودا سلف لیے ہوئے بازار سے آرہے تھے۔ مولوی صاحب کے مکان کا پتہ پوچھا۔

جمشید: "حضرت سلام علیکم"

ضعیف العمر: "علیکم السلام و رحمۃ اللہ"

یہ کہکر بڑے میاں آگے بڑھنے لگے۔

جمشید: "حضرت ذرا ٹھہریے گا۔ مجھے کچھ دریافت کرنا ہے۔ آپ سے"

بڑے میاں ٹھہر گئے۔ اور کسیقدر ترش رو ہو کر کہا

ضعیف العمر: "کہیے۔ کہیے۔ پوچھیے"

جمشید: "آپ کو مولوی عبدالغنی صاحب مرحوم کا مکان معلوم ہے۔"

ضعیف العمر: "بڑے مولوی صاحب کا وہ جو غدر میں شہید ہوئے تھے۔ ؟"

جمشید: "جی ہاں"

ضعیف العمر:۔ آپ سڑک سڑک سیدھے چلے جائیے۔ آگے چلکر ایک وہ ملے گا آپ کو۔ سڑک کے کنارے پر اسکا۔ املی کا درخت۔ بائیں ہاتھ پر۔

جمشید:۔ جی۔ جی۔ فرمائیے۔

ضعیف العمر:۔ بس بالکل املی کے سامنے دوسری طرف۔ سڑک کے ایک گلی ہے۔ کشادہ۔ آپ اسمیں چلے جائیں۔ کوئی کم و بیش سو قدم کے بعد ایک دوسری گلی ملے گی سیدھے ہاتھ اس میں چلے جائیے گا۔ بس وہاں جس سے دریافت کیجیئے گا نواب سعید احمد کا مکان بتادے گا۔ آپ کو۔ مولوی صاحب کر بھیجیے۔

جمشید:۔ بہت اچھا۔ بہت اچھا۔ آپ کی عنایت۔

بتلائے ہوئے نشان پر جمشید گلی میں پہونچا۔ وہاں ایک لڑکے سے پوچھا۔

جمشید:۔ میاں لڑکے۔

لڑکا:۔ کہو بڑے میاں۔

جمشید:۔ تمھیں معلوم ہے نواب سعید احمد صاحب کا مکان کدھر ہے۔

لڑکا:۔ جی میں جانتا ہوں۔ گاڑی میرے پیچھے پیچھے لے آئیے۔ جمشید گاڑی لیے ہوئے لڑکے کے پیچھے ہولیا۔ آبادی کا کنارہ دیکھکر کہا۔

جمشید ۔ "میاں لڑکے - یہ جنگل میں کہاں لیجاؤ گے - آبادی تو ختم ہوا
چاہتی ہے - میں تو نواب سعید احمد صاحب کے مکان پر
جاؤں گا"

لڑکا ۔ "جی ہاں - نواب صاحب ہی کے یہاں - میں کیا جانتا نہیں
دیکھیے وہ سامنے کیا نظر آتا ہے - وہ بڑا سا پھاٹک"

جمشید ۔ "ہاں - میاں یہ تو بتاؤ - تم نے نواب صاحب کو بھی دیکھا
ہے"

لڑکا ۔ "دیکھا - میں تو روز دیکھتا ہوں - اُن کے یہاں میرے ماموں
نوکر ہی جو ہیں - میں دوسرے تیسرے اُن کے ہاں جاتا
ہوں اپنے ماموں سے ملنے"

جمشید ۔ "تمھیں کچھ اور حال بھی معلوم ہے نواب صاحب کا"

لڑکا ۔ "کیا حال پوچھیے"

جمشید ۔ "یہی کہ نواب صاحب کی کیا عمر ہوگی - اُن کے گھر میں کون
کون رہتا ہے"

لڑکا ۔ "نواب صاحب تو جوان سے ہیں - غدر میں کچھ خیر خواہی کی تھی
بہت جائداد ملی ہے - مولوی صاحب کے بھتیجے ہیں - مولوی
صاحب اُن کے چچا غدر میں مارے گئے"

جمشید ۔ (کچھ سوچ کر) "ہاں تو تمھیں اندر کا حال معلوم نہیں کہ کون
کون رہتا ہے"

لڑکی: "اچھی بتا کون کون آئیں۔ ان کی چچا زاد بہنیں ہیں۔ مولوی صاحب کی لڑکی۔ اور بس۔ اور ہاں ایک ان کی مولوی صاحب کی بیٹی کی اپنی لڑکی ہے"۔

جمشید۔ (خوش ہوکر) "اچھا جیتے رہو۔ اب میں چلا جاؤنگا"

لڑکا: "نہیں چلے چلئے میں اپنے ماموں ہی سے مل لونگا"

جمشید پھاٹک پر پہنچکر گاڑی سے اُتر لیا۔ ایک سپاہی دروازے پر موجود تھا۔ لڑکے نے بڑھکر کہا۔

لڑکا: "میاں سبحان علی۔ دیکھو یہ صاحب کہیں سے آئے ہیں۔ نواب صاحب سے ملیں گے"

سپاہی۔ (جمشید کو سلام کرکے) "آپ کہاں سے آرہے ہیں"

جمشید: "میں تو دور سے آیا ہوں۔ نواب صاحب ہیں"

سپاہی: "جی وہ تو ابھی ابھی زنان خانے میں تشریف لے گئے"

جمشید: "کچھ زنانی سواریاں ہیں"

سپاہی: "جی ہاں تو اس طرف۔ ارے بھئی گاڑیاں ادھر لیجا گاڑی زنانی ڈیوڑھی پر"

گاڑی پھاٹک سے گذر کر ذرا گھوم کر زنان خانے کیطرف چلی جمشید نے سپاہی سے کہا کہ ذرا ماما کو بلواؤ اندر سے۔ سپاہی نے لپک کر آواز دی۔۔

رحیمن باہر آئی تو جمشید نے کہا

جمشید "اپنی بیوی سے جاکر کہدو۔ کہ جمشید میرٹھ سے آیا ہو۔ اور زنانی سواریاں آئی ہیں۔ اندر کوئی ہو تو نہیں"۔

رحیمن "میں پردہ کرائے دیتی ہوں۔ نواب میاں کو باہر بھیجے دیتی ہوں"۔

رحیمن نے جاکر اپنی بیوی سے کہا کہ جمشید میرٹھ سے آئے ہیں بڑے سے آدمی ہیں کچھ زنانی سواریاں بھی ساتھ ہیں۔ ڈیوڑھی پر گاڑی آگئی ہے"۔

فاطمہ۔ وہی مصیبت زدہ عورت جو جنگل میں غدر کے دنوں میں ماری ماری پھرتی تھی اور جس نے جمیلہ بلقیس کو دی تھی وہی جس نے بلقیس سے ایک رات کے لیے پناہ مانگی تھی۔ اور جسے سعید (جو اب اُس دو خطوں کی بدولت جو اُنکے چچا کو انگریزوں نے دیے تھے اور جو اب نواب بنے بیٹھے تھے) جنگل میں تنہا چھوڑ کر دہلی چلا گیا تھا۔ وہی فاطمہ اب خدا کی عنایت سے سعید اپنے چچازاد بھائی کے ہاں سفید و سیاہ کی مالک تھی۔ اب زمانہ اس کے موافق تھا۔ ہر طرح کا عیش و آرام میسر تھا۔

جمشید کی آمد کا حال سُنکر باغ باغ ہوگئی معاً خیال گذرا کہ بلقیس آئی ہے۔ گھبرا کر ڈیوڑھی پر پہنچی۔ جمیلہ اور رقیہ گاڑی سے اُتریں جمیلہ آگے تھی۔ بجز [illegible] ڈیوڑھی میں پہنچتے ہی برقع اُلٹ دیا۔ فاطمہ

اندر کے دروازے پر کھڑی تھیں۔ جمیلہ قریب پہنچی۔ فاطمہ نے غور سے دیکھا اور چلا کر جمیلہ کو لپٹ گئی۔

فاطمہ: ہیں۔ اے جمیلہ تم کہاں، میری جمیلہ ارے۔ الٰہی تیری قدرت کے قربان۔ وہی صورت ہے ذرا فرق نہیں۔

جمیلہ فاطمہ کا حال تو سن ہی چکی تھی۔ اس کی محبت اور خلوص دیکھ کر بہت متاثر ہوئی۔ رقیہ نے برقع نہ اٹھایا تھا۔ فاطمہ جمیلہ کی خوشی میں سب کچھ بھول گئی۔ یہ بھی نہ دیکھا دوسری کون ہے۔ جمیلہ کے گلے میں ہاتھ ڈالے ہوئے کمرے میں لائی۔ فاطمہ کی خوشی بیان سے باہر تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ خزانہ ہاتھ آگیا۔ رقیہ نے قریب پہنچ کر برقع اتار کر علیحدہ رکھ دیا۔ برقع کا اُتارنا تھا کہ فاطمہ کی نظر اس پر پڑی اور رقیہ نے پہلی مرتبہ اس کے چہرے کو اچھی طرح دیکھا کہ فاطمہ چیخ مار کر رقیہ سے لپٹ گئی۔

فاطمہ: ہائیں رقیہ یہ تم ہو......"

رقیہ: ہیں خالہ یہ تم ہو......"

رقیہ اور فاطمہ دیر تک روتی رہیں۔ جمیلہ حیران کہ کیا معاملہ ہے۔ یہ فاطمہ رقیہ کی خالہ کدھر سے نکلیں۔

فاطمہ نے رقیہ کو آہستہ سے الگ کیا۔ اور کہا۔

فاطمہ: یا اللہ تیرا شکر ہے۔ ایک چھوڑ دو دو خوشیاں بیٹی جمیلہ ارے تم اتنی بڑی ہو گئیں۔ میں صدقے تم کہاں کہاں رہیں۔ یہاں کیسے آئیں مجھ بدنصیب کا کیونکر حال

معلوم ہوا۔ اور تم رقیہ جمیلہ کے ساتھ کیسے۔ یا اللہ یہ طلسم ہے
حیرت ہے آخر تم مظفر نگر سے یہاں کیسے پہونچیں۔

رقیہ ”یا اللہ تیری شان۔ خالہ جان یہ آپ یہاں کیسے“

فاطمہ ”بہوی بڑی داستان ہے فرصت میں سننا۔ اور ہاں آپا کہاں ہیں۔ اور بھائی اچھے ہیں اب تو پنشن ہوگئی ہوگی“

رقیہ ”(رو کر) خالہ جان۔ دونوں اللہ کے گھر گئے۔ آپ کو خبر تک نہیں“

فاطمہ۔ بہن کے مرنے کی خبر سنکر سناٹے میں آگئی۔ سنتے ہی جو خوشی جمیلہ اور رقیہ کے آنے سے ہوئی تھی کافور ہوگئی۔ بت ہوگئی۔ آنسو جو ابھی تک اچھی طرح خشک بھی نہ ہوئے تھے۔ پھر امنڈ آئے جمیلہ چپ۔ رقیہ بیتاب۔

افسوس دنیا میں خوشی کو قرار نہیں۔ غم کو قیام ہے۔ فاطمہ کو چند روز کے لیے دو ملیں۔ ہمیشہ کے لیے دو سے جدا ہوگئی۔ سچ ہے دنیا اسی کا نام ہے۔

بقول ثریا بیگم دنیا کی خوشی کے دامن میں رنج کا کانٹا ہے۔ دائمی خوشی ایسی خوشی جو غم سے آزاد ہو۔ مرنے کے بعد ہی۔ موت کے بعد حاصل ہوگی بشرطیکہ موت سے پہلے نیک عمل کا توشہ مہیا کر لیا ہو۔ آسمان والے کو یاد کیا ہو۔ زمین والوں کو شاد کیا ہو۔

فاطمہ خوش تھی۔ اور رنجیدہ۔ جمیلہ اور رقیہ کو دیکھتی تھی۔ بہن بہنوئی

کو یاد کرتی تھی کبھی ہنسنا کبھی رونا رنج و
خوشی کا چولی دامن کا ساتھ ہے
اس لیے خوشی ہو تو خدا سے
ڈرو رنج ہو تو اسکو یاد کرو
یہی بہتر ہے

باب یازدہم

۱۸۷۷ء کا دربار قیصری جو ہندوستان جنت نشان کے قدیم دارالخلافہ دہلی میں ہوا۔ ہندوستان کی تاریخ میں جلی قلم سے لکھا ہوا ہے۔ لارڈ لٹن جیسا بیدار مغز ہندوستان کا وائسرائے تھا۔ بغاوت کو پورے بیس سال گذر چکے تھے۔ غدر کے واقعات بڑے بوڑھے نوجوانوں کو قصے کے پیرائے میں سناتے تھے۔ عورتیں ضدی بچوں کو "تانار اُو آگیا" کہہ کر ڈراتی تھیں۔ لوگ بالکل اس خوفناک شورش کو بھولتے جاتے تھے ہندوستان پھر ہرا بھرا دکھائی دیتا تھا۔ مغربی علم کی روشنی ملک میں اکثر تاریک مقامات میں پہنچ چکی تھی۔ پرانی تہذیب کے چراغ جھلملا جھلملا کر گل ہونے کی خبر دے رہے تھے۔ پرانے رسم و رواج سفید ریش مردوں اور سفید سر والی عورتوں سے گلے مل مل کر رخصت ہو رہے تھے۔ نئے نئے خیالات نئی نئی باتوں پر لوگوں کی طبیعتیں جھکی پڑتی تھیں۔ انگریزی حکومت پہلے ملک پر تھی اب دلوں پر بھی جمی تھی ایشیائی ٹھاٹھ مشرقی شان و شوکت کے جھاڑ و فانوس دیوان خانوں کی چھت سے گر گر کر پاش پاش ہو رہے تھے۔ انگریزی

[illegible]

آسمانِ ترقی میں تارہ ہو چکا تھا۔ بڑے بڑے خود سر سرِ تسلیم خم کر چکے تھے۔
بڑے بڑے والیانِ ملک انگریزی دولت کے حلقہ بگوش ہو چکے
تھے۔ ملک میں امن و امان کے نقارے کی آواز گونج رہی تھی۔ شہر
آزادی کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا سے دل کی کلی کھلی جاتی تھی۔ مندروں
میں ناقوس کی صدائیں بلند تھیں۔ پجاری گیان دھیان میں مصروف
تھے۔ مسجدوں میں اذانیں گونج رہی تھیں۔ نمازی یادِ خدا
میں محو تھے۔ اجڑے دیار دلی میں از سرِ نو رونق ہو گئی تھی۔ بازاروں
میں بڑی چہل پہل تھی۔ طرح طرح کا انگریزی سامان اپنی چمک دمک
سے نظریں خیرہ کیے دیتا تھا۔ بگھی اور گاڑیوں کی آمد و رفت سے اور
فٹن اور ٹمٹموں کی مدد سے پیدل چلنے والے گھبرا کر کھنچ رہے تھے۔
سوداگروں کی دکانوں پر نئے نئے اسباب کے صندوق دھڑا دھڑ
کھل رہے تھے۔ لوگوں کی چیخ پکار سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی
تھی۔ نئی نئی وضع کے لوگ نئی نئی طرح کے لباس پہنے نظر آتے تھے
کہیں بنگالی تھے۔ تو کہیں مدراسی۔ کہیں گوالیار کی پگڑیاں تو کہیں
لاہور کے دوپٹے کہیں لکھنؤ کی چکن ٹوپیاں تو کسی قدر سر سے کھسکا
ساتھ ولایت کے آدمی بھی موجود۔ بھانت بھانت کی بولیاں قسم قسم
کے انسان سے۔
دلی پھر نئے سرے سے جوان تھی۔ بغاوت کی راکھ پر آب و تاب

کے ساتھ دلی دہانی کی تھی۔ دہلی دربار قیصری کا اعلان ملک ملک
شہر شہر گاؤں گاؤں ہو چکا تھا۔ اطراف عالم سے لوگ اُمڈے
چلے آتے تھے۔ سوداگر لوگ جگہ جگہ کے تحفے تحائف لیے دوڑے آتے
تھے۔ کشمیر سے شال۔ ہمالیہ سے سال۔ کاٹھیاواڑ سے گھوڑے۔ لکھنؤ
سے زنانے جوڑے۔ چاروں طرف مال ہی مال۔ دام دیجیے دنیا کے
پردہ کی کوئی سی شے لیجیے۔ دربار کے سامان تھے۔ لاٹ صاحب کی
آمد آمد تھی۔ راجے مہاراجے آچکے تھے۔ والیان ملک کے خیمے
جگہ جگہ نصب تھے۔ نوکر چاکر زرق برق وردیاں پہنے ادھر سے ادھر
ادھر سے ادھر پھرتے تھے۔

جگہ جگہ فوج کے ڈیرے تھے۔ گوروں کالوں کی پلٹنوں سے میدان
پٹے پڑے تھے۔ سواروں کے گھوڑے اپنی چال سے تماشائیوں
کو حیرت کرتے تھے۔ مہاراجہ گوالیار کے ہاتھی سونڈ ہلا ہلا کر اپنی
طرف بلاتے تھے۔

راجہ مہاراجہ نواب رئیس جتنے سرکار کے مہمان تھے جمع ہو چکے تھے۔
دور تک ڈیروں کی قطاریں نیلے آسمان میں عجیب بہار دکھاتی تھیں
والیان ملک اپنے اپنے خیموں میں رونق افروز تھے۔ عجب بہار کا
وقت تھا۔ کیا شان و شوکت تھی جسے دیکھ کر آنکھیں محو حیرت ہو کر
کھلی کی کھلی رہ جاتی تھیں۔ [illegible]
[illegible]

بلائیں لینے کو جھکا پڑتا تھا۔ اگلے دن دربار تھا۔ ملکۂ انگلستان خطاب قیصرِ ہند اختیار کرنے والی تھیں۔ اسی رسم کے لیے لاٹ صاحب نے یہ دربار منعقد کیا تھا۔

صبح ہوئی۔ اور سورج خوشی خوشی ہنستا ہوا یہ تماشا دیکھنے کے لیے آسمان پر چڑھ گیا۔ تاکہ اونچائی سے ہر چیز روشن نظر آئے۔ صاف صاف ہر ایک شے دیکھے۔

لاٹ صاحب کی سواری آئی۔ توپوں کی ترقی و اقبال کی دعاؤں نے زمین ہلا دی۔ آسمان سر پر اُٹھا لیا۔ سارے ہندوستان کے راجہ مہاراجہ لاٹ صاحب کی سواری کے ارد گرد اس طرح تھے۔ جس طرح چاند کے ارد گرد ستارے۔ ہاتھی نشۂ مسرت سے جھوم جھوم چلتے تو زرق برق گھوڑے فرطِ خوشی سے گھوم گھوم پڑتے تھے۔ ہاتھیوں کی جھولیں جن پر سلمہ ستارے کا کام تھا جب چمک جاتی تھیں۔ تماشائیوں کی نگاہیں جھپک جاتی تھیں۔ نقیب سونے چاندی کے عصا ہاتھ میں لیے دوڑتے تھے۔ گھوڑے طاؤس مناز کی طرح بن بن کر چلتے تھے۔ دیکھنے والوں کے کلیجے سموں سے ملتے تھے۔

اس سواری کی دید کے شوق میں مکان کندھوں پر لوگوں کو اٹھا اٹھا کر اُبھتے تھے۔ زمین جنبش کے استقبال میں فرش ہوئی جاتی تھی۔ مختلف سُریلے باجوں کی آواز سے ہوا حالتِ وجد میں لوگوں پر گری پڑتی تھی۔ سواروں کی قطاریں۔ اُن کی بیش قیمت نئی نئی وردیاں آنکھوں

کی راہ سے دلوں میں اُتری جاتی تھیں۔ اُن کے چمکدار چہرے اُچک
اُچک کر بجلی کی طرح تڑپ کر آنکھوں پہ گرتے تھے۔
لاٹ صاحب کی سواری بادِ بہاری کی طرح شہر کی سڑکوں کو نہال کرتی
ہوئی چلی جاتی تھی۔ عجیب سماں تھا۔ کہ جس کے بیاں سے زبان قلم
قاصر۔ حضور نظام کی سواری۔ اور اُس کی شان و شوکت دیکھی
کھینچی جاتی تھی۔ والیے دکن کی کم سنی اور بیدار مغزی دیکھنے والوں کو
محوِ حیرت بناتی تھی۔ حضور نظام کی سادگی لباس پہ ہزاروں بناوٹیں
قربان تھیں۔ حضور ممدوح کو ارکین ریاست و امرائے سلطنت اسطرح
حلقے میں لیے ہوئے تھے جسطرح گلاب کے پھول کو ہرے بھرے سرسبز
پتے۔ سواری کی دھوم دھام سے تماشائیوں کے دل کنول کی طرح
کھلے جاتے تھے۔ پیچھے پیچھے دوسرے والیانِ ملک کے ہاتھی جھومتے
ہوئے چلے آتے تھے۔
مہاراجہ کشمیر- مہاراجہ بڑودہ کے ہاتھی- مہاراجہ میسور- مہاراجہ گوالیار
کے ساتھی۔ عجیب ٹھاٹھ دکھاتے تھے دیکھنے والے حیران تھے۔ تجربے
قاسب بیجان تھے۔
بیگم بھوپال کی سواری خراماں چلی آتی تھی۔ جسکے دیکھنے سے
روح فرحت پاتی تھی۔ ہر چیز سے خوبصورتی کا اظہار تھا۔ عجیب منظر
پیش نما رہتا۔ اقبال مندی بلائیں لیتی پھرتی تھی۔ حاسدوں پر بجلی
بجلی گرتی تھی بیگم ممدوحہ کی سواری پر جلال برستا تھا۔ رشک سے

مریخ فلک ترستا تھا۔ مخلوق کی یہ کثرت تھی کہ شہر میں نہ سماتی تھی۔ بوجھ سے
گنگا کو زمین گھٹنے ٹیک کر بیٹھی جاتی تھی۔

غرضیکہ لاٹ صاحب کی سواری مثل باد بہاری شہر سے گذر گئی۔ دوپہر کو
دربار گرم ہوا۔ آفتاب عالمتاب ٹھیک بارگاہ فلک اشتباہ پر آ کر تماشہ
دیکھنے لگا سرگرم ہوا۔

والیان ملک آئے بڑے بڑے اعزاز پائے۔ خیر خواہان سرکار دولتمدار
نمبروار آتے تھے اور انعام میں عزت و حرمت کی جاگیریں پاتے تھے۔
خطاب قیصری کا اعلان ہوا۔ ہر شخص [illegible] پر قربان ہوا۔
لاٹ صاحب کی تقریر دلپذیر سے ہر شخص شاد تھا ہر ایک کا خانۂ دل
خوشی سے آباد تھا۔

دربار تمام ہوا شام کے جشن کا انتظام ہوا۔ دربار برخاست ہوتے ہی
خاور فلک بارگاہِ عالم پناہ سے سرک کر مغرب کی طرف چلا۔ شام
ہوتے ہی [illegible] بہار تھی بہیر جنت عدن کی خوشنمائی نثار تھی۔ سورج کی
سنہری کرنیں شوق دید میں جگہ جگہ ٹھٹک گئیں۔ سورج کی آنکھیں تمام
کیفیت دیکھ کر جھپک گئیں رات آئی تو نئے سامان ساتھ لائی۔

آتشبازی۔ روشنی پر لوگ پروانہ وار مر گئے۔ آسمان پر تارے
زمین پر آنے کے لیے بکھر گئے چرخیوں کی گردش سے فلک پیر چکرایا
مہتابیوں کی روشنی سے ماہتاب شرمایا۔ ہر چھوٹن کے اوج سے برج
فلک رشک سے [illegible] جھنجھک سے آسمان کے [illegible] فانوس

بار بار جھلملاتے تھے۔ تمام رات عجب بہار تھی۔ مخلوق خدا خوشی سے بے اختیار تھی۔ مہمانوں کے خیموں کا عجب رنگ تھا۔ ہر خورد و کلاں دیکھکر دنگ تھا۔ نغمہ و سرود کی آواز بلند تھی۔ جس کے سننے سے زہرہ فلک دردمند تھی۔ دعوتوں کے سامان تھے۔ دولت کے کرشمے دیکھکر تماشائی حیران تھے رنج و غم طبیعتوں سے دور تھا۔ ہر خورد و کلاں بادۂ خوشی سے مخمور تھا۔ یوں تو ہر جگہ شادی کا اہتمام تھا مگر بیگم بھوپال کے خیمے میں دعوت کا خاص التزام تھا۔ بیگم ممدوحہ نے نظام حیدرآباد کو مدعو کیا تھا۔ خیمے کو اس تقریب کی خوشی میں سرفرازی کا خلعت دیا تھا۔ حضور پرنور مع اراکین سلطنت و جان نثاران دولت تشریف لائے۔ مہمانوں نے رخ روشن دیکھکر فرط مسرت سے کھل کھلائے۔ شمع نے خوشی کا رونا رویا۔ اشکوں سے دامن لگن دھویا۔ حضور نظام کے ساتھ بڑے بڑے منصب دار۔ ریاست کے قدیم نمک خوار خیر خواہ بھی رکاب میں پھرتے ہوئے آئے۔ جنھیں دیکھکر عورتیں گلہ مستورات میں پھول خوشی سے مسکرائے طرح طرح کی نعمتیں کھا کر مہمان اپنے تئیں بھول گئے۔ چمن کی بیخودی دیکھکر ہنستے ہنستے صراحیوں کے پیٹ پھول گئے۔ انواع و اقسام کی خوشبوؤں سے دماغ طبلہ عطار تھا۔ ہر شخص پھولوں کی مہک پر نثار تھا۔ حضور نظام کے ہمراہیوں میں نواب سالار جنگ مرحوم سپہ سالار افواج حیدرآباد بھی شریک دعوت تھے۔ تمام سرداروں میں سب سے زیادہ صاحب ثروت تھے

غدر میں حیدرآباد سے فوج لیکر لکھنؤ انگریزوں کی مدد کو آئے ایسے
ایسے مردانگی کے جوہر دکھلائے کہ سب انگریز ان کا لوہا مانتے تھے
اپنی قوت بازو جانتے تھے۔ خیرخواہی میں بڑا نام پایا۔ جاں نثاری
نے سپہ سالاری پر پہنچایا۔

بیگم بھوپال اپنے قدیم نمکخواروں کی قدرداں تھیں اس موقعہ پر تلاش
کرکرا ایک ایک کو شریک کیا تھا۔ سلیمان بھی بیگم صاحب کی قدمبوسی
کو آئے تھے حکم ہوا کہ دعوت میں شریک ہوں۔ چنانچہ اس دعوت
میں سلیمان میرٹھ سے آئے۔ نواب سعید احمد صاحب کے چچا مولوی
عبدالغنی صاحب مرحوم سے بیگم صاحب بوجہ اُن کے تقدس کے بہت
معتقد تھیں۔ نواب سعید احمد صاحب سرکار کی طرف سے غدر کی خیرخواہی
میں دربار میں سرکار دولتمدار کی طرف سے مدعو تھے بیگم بھوپال نے
سنا دعوت میں طلب کیا۔ اتفاق کی بات دعوت میں نواب
ہمایوں مرزا کے قریب سلیمان تھا۔ اور سلیمان کے قریب سعید احمد
نواب تھے۔ کھانے وغیرہ سے فارغ ہوئے۔ مہمانوں میں آپس میں
بات چیت ہونے لگی۔ نواب ہمایوں مرزا سلیمان سے مخاطب ہوئے

ہمایوں مرزا۔ جناب کا دولت خانہ۔
سلیمان۔ حضور خانہ زاد کا غریب خانہ شہر میرٹھ ہے۔
ہمایوں مرزا۔ بڑی مسرت آمیز خبر ہے مجھے بہت بڑی
خوشی ہوئی۔

آپ کا اسم شریف"

سلیمان۔ مجھکو محمد سلیمان کہتے ہیں"

سلیمان کی عمر گو چالیس برس سے تجاوز کر چکی تھی مگر چہرہ کی خوبصورتی میں فرق نہ آیا تھا چونکہ نیک مزاج۔ حلیم الطبع۔ متین تھا۔ چہرے میں اور خصوصاً آنکھوں میں عجیب کشش تھی کہ جو ایک بار نگاہ ڈالتا تھا دیر تک دیکھتا رہتا تھا۔ نواب ہمایوں مرزا نے جو سلیمان کو غور سے دیکھا وہ بھی اس مقناطیسی قوت کے اثر سے نہ بچ سکا۔ چہرہ دیکھ رہا تھا کہ نگاہ اچانک گھڑی کی طلائی زنجیر پر جس میں جمیلہ کا تعویذ لٹکتا تھا۔ جا پڑی۔ نہ معلوم کیا بات تھی کہ نواب ہمایوں مرزا کی نگاہ تعویذ پر ٹھٹک کر رہ گئی چہرہ پر کچھ رنج کچھ خوشی کی علامتیں ملی جلی پائی جاتی تھیں۔ سلیمان چونکہ نواب ہمایوں مرزا کے مرتبہ سے واقف ہو گیا تھا۔ چپ آنکھیں نیچی کیے ہوئے خاموش بیٹھا تھا۔

روشنی بہت تیز تعویذ پر پڑ رہی تھی۔ نواب ہمایوں مرزا دیر تک تعویذ کو دیکھا کیا۔ کبھی کبھی کسیقدر جھک کر دیکھنا چاہتا تھا۔ مگر ارادہ کر کے رہ جاتا تھا۔ سلیمان نے نواب ہمایوں مرزا کی بےچینی دیکھی مگر حیران ہوا سمجھ نہ سکا کہ کیا معاملہ ہے۔ سلیمان نواب سعید سے باتیں کرنے لگا جو اس کے بائیں ہاتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ادھر ادھر کی بات چیت کے بعد جہاں میزبان سے رخصت ہونے لگے۔ سلیمان بھی چلنے لگا۔ کہ نواب ہمایوں مرزا نے بڑھکر کہا۔

نواب ہمایوں مرزا: کیا میں آپ سے درخواست کر سکتا ہوں کہ آپ اس وقت میرے ساتھ میرے خیمہ پر چلیں۔؟"

سلیمان: "جناب زہے نصیب۔ میں خوشی سے چلنے کے لیے تیار ہوں"

سلیمان چونکہ سعید سے باتیں کر رہا تھا۔ کچھ دربار کے متعلق رائے زنی تھی اور چونکہ باتیں ختم نہ ہوئی تھیں سلیمان سعید کو ہمراہ لیے ہوئے باتیں کرتا ہوا نواب ہمایوں مرزا کے خیمہ میں جا پہنچا۔ خیمہ بہت اچھا سجا ہوا تھا۔ نہایت تیز روشنی خیمہ میں ہو رہی تھی۔ ہمایوں مرزا نے دونوں کو بیٹھنے کو کرسیاں دیں۔ یہ بیٹھ چکے تو ہمایوں مرزا کرسی گھسیٹ کر سلیمان کے سامنے آ بیٹھا اور یوں ہمکلام ہوا۔

ہمایوں مرزا: میں نے آپ کو اس لیے تکلیف دی ہے کہ میں آپ سے یہ دریافت کروں کہ یہ تعویذ آپ کے پاس کہاں سے آیا"

سلیمان: "جناب آپ نے ناحق تکلیف فرمائی۔ یہ بات تو آپ گستاخی معاف وہاں بھی دریافت فرما سکتے تھے"

ہمایوں مرزا: نہیں۔ اس کی وجہ تھی۔ وہاں موقع نہ تھا۔ کیا میں قریب سے دیکھ سکتا ہوں اس تعویذ کو"

سلیمان: بڑے شوق سے۔ لیجیے"

ہمایوں مرزا: (تعویذ دیکھ کر) خدایا۔ کیا اسرار ہے۔ کیا آپ بتا سکتے

ہیں کہ تعویذ آپ کو کہاں سے ملا"

سلیمان "مجھے بتلانے میں کوئی عذر نہیں - یہ تعویذ میری ایک جان سے زیادہ عزیز کا یادگار ہے"

ہمایوں مرزا "کیا آپ مفصل بیان نہیں فرما سکتے"۔

سلیمان "نہیں مجھکو کچھ عذر نہیں"

سلیمان نے جمیلہ کا کل قصہ نواب ہمایوں مرزا کو کہہ سنایا۔ نواب ہمایوں مرزا جوں جوں سنتا جاتا تھا اُس کے چہرے کی حالت قابل دیکھنے کے تھی۔

سعید بھی غور سے کل بیان سلیمان کا سن رہا تھا۔ سلیمان نے جب کہا کہ وہ لڑکی مجھے جان سے زیادہ عزیز تھی مگر افسوس کہ اب اسکا پتہ نہیں۔ ہمایوں مرزا یہ کہتا ہوا کرسی سے گر پڑا۔

"ہائے بیٹی ملکر بچھڑ گئی"

سلیمان گھبرا گیا کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا اسرار ہے۔ سعید الگ پریشان کہ کیا معاملہ ہے۔ بہت دیر بعد ہمایوں مرزا کو ہوش ہوا آنکھ کھولتے ہی کہا۔

ہمایوں مرزا "تو کیا۔ اب کوئی امید اُس کے ملنے کی نہیں۔ سعید بیچ میں بول اُٹھا"

سعید "جی ہاں۔ امید ہے۔ آپ بات تو کہیے۔ وہ لڑکی میری بہن ہے۔ جمیلہ نام ہے اُس لڑکی کا"!

ہمایوں مرزا یہ مژدہ سُنکر چلایا۔

ہاں ۔ ہاں وہ لڑکی میری ہی بیٹی ہو گو نام جمیلہ ہو۔

سلیمان کو سعید کے بیان سے بڑی حیرت ہوئی کل حال پوچھا سعید نے مفصل بیان کیا جمشید کا جانا ۔ فاطمہ کا استقبال کرنا ۔ ہمایوں مرزا کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا ۔ سلیمان اور سعید کو احسان مندی کی نگاہوں سے بار بار دیکھتا تھا ۔ آخرش رہ سکا کہا ۔

ہمایوں مرزا ۔ خدارا اب جلد مجھکو میری بیٹی کے پاس لے چلیے ۔

خدایا تیرا شکر ہے ۔ الٰہی تو جامع المتفرقین ہے ۔ بیشک تیرے کلام میں تاثیر ہے ۔ "اللہ جمیل ویحب الجمال" بیشک جزاء جان ہے بسلیمان صاحب ۔ سعید صاحب میں آپ کا شکریہ آپ صاحبان کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا ۔ ہاں میں اپنی بیٹی کو اب جمیلہ ہی کہونگا ۔ خدارا جہاں اتنا احسان کیا مجھے جلد اُس کے پاس لے چلو آہ ۔ بیس سال ۔ پورے بیس برس ۔ جمیلہ کے لیے بھڑک رہا تھا ۔ خدایا تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے ۔ صاحبان میں مرادنگر کا رہنے والا ہوں ۔ سلیمان صاحب وہ مجھ ہی کم نصیب نہیں خوش نصیب کا مکان تھا جسے فاطمہ نے جلتے دیکھا ۔

سعید میاں وہ میرا ہی ملازم رحمٰن علی تھا جس نے میری پیاری بیٹی ۔ حسنہ نہیں جمیلہ کو آگ سے بچایا ۔ سلیمان

صاحب یہ تعویذ کسی درویش فقیر کا دیا ہوا نہ تھا۔ یہ ایک باپ کے محبت بھرے دل کی صلاح سے خوبصورت بیٹی کے گلے میں پہنایا گیا تھا۔ الٰہی تیرا شکر کس زبان سے ادا ہو۔ سلیمان صاحب جمیلہ کو آپ نے پرورش کیا وہ آپ ہی کی بیٹی ہے میں اُسے دیکھوں گا اور بس۔ ایک نظر دیکھونگا ایک دفعہ کلیجہ سے لگاونگا۔

ہا! ۲۰ برس سے جدائی۔ میری بیٹی بیس برس بعد ملی سلیمان صاحب۔ سعید صاحب چلیے۔ چلیے دیر نہ کیجیے مدد مجھے اُس کے پاس پہنچا دیجیے۔ جسکو میں صبر کر چکا تھا۔ دیکھیے دیکھیے اب کیا بجا ہے۔ خورجہ یہاں سے دور نہیں۔ نہیں بہت دور ہے۔ گاڑی کس وقت جاتی ہے۔ اے کاش میرے پر ہوتے۔ میں اڑکر اپنی بچھڑی ہوئی بیٹی سے جا ملتا۔ ہاں صاحبو دیر نہ کرو۔ میرا دل قابو میں نہیں ہے یہانا

اسوقت رات کے ۱۱ بج چکے تھے۔ سعید اور سلیمان مجبور ہو کر معہ ہمایوں مرزا ریل کے اسٹیشن پر آئے اور خورجہ ۱۲ بجے کی گاڑی میں روانہ ہو گئے۔ سلیمان چپ۔ سعید حیران۔ ہمایوں مرزا کے شوق کی یہ حالت خورجہ کی آمد کا اسقدر انتظار۔ ریل کی سست رفتاری کا اسقدر شاکی کہ سعید اور سلیمان کو خوف ہو گیا کہ کہیں جمیلہ کو دیکھتے ہی

ہمایوں مرزا کو شادی مرگ نہ ہو جائے۔ دونوں نے کچھ صلاح کی
کہ کس طرح جمیلہ سے ملایا جائے۔ ہمایوں مرزا اپنے خیالات میں محو تھا۔
گاڑی سی رکتی تھی اور یہ بیقرار ہوتا جاتا تھا۔ بار بار کھڑکی سے جھانکتا تھا
بار بار سپاہیان سے پوچھتا تھا کہ خورجہ کتنی دور ہے؟

باب دوازدہم

مدت کے بچھڑے عزیز کا ملنا۔ کسی گم شدہ پیارے کا اچانک آجانا۔ اور اس وقت کی عزیزوں کی خوشی کا بیان کرنا۔ بلا ضرورت قلم کو تکلیف دینا ہے۔ کس کی زبان میں طاقت ہو۔ کس کے قلم میں زور ہو جو اسوقت کی کیفیت کے بیان میں یا اس حالت کی تحریر کے دھیان میں اٹھ سکے۔

دو بچھڑے ہوئے دلوں کی حالت ملنے کے وقت ہمیشہ ایک سی نہیں ہوتی کوئی اس وقت فرطِ مسرت سے اُچھل پڑتا ہو۔ کوئی غلبۂ خوشی سے زار زار رونے لگتا ہو۔ آنسو اگر سچ پوچھو تو رنج و غم کی علامتوں میں سے ہیں مگر عجب بات ہو کہ ایسے موقع پر بعض کے آنسو نکل پڑتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ خوشی کا رونا ہے۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ خوشی میں اور رونا۔

یہ سب محبت اور دل لگاؤ کے کرشمے ہیں۔ انسان کی عقل ان شعبدوں کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ سچی محبت اور خالص الفت میں چونکہ دل کا دل سے تعلق ہوتا ہو؛ پہلے دل ہی ان تمام باتوں کو سمجھتا ہے مگر زبان ادا نہیں کر سکتی۔ جب اشرف المخلوقات کی زبان کا یہ حال

تو اگر زبانِ قلم ان حیرت انگیز محسوسات کے بیان پر قادر ہونے کا دعوے کرے۔ سراسر زبان زوری ہے۔

ہمایوں مرزا کی حالت۔ جمیلہ کی کیفیت۔ بچھڑی ہوئی ۲۰ برس سے گم شدہ بیٹی اور اسقدر مدت سے صورت کو ترسے ہوئے باپ کا ملنا اور اس وقت کی باپ بیٹی کی حالت لفظوں میں ادا نہیں ہو سکتی وہی باپ جن کو اولاد سے عشق ہو۔ وہی شریف بیٹیاں جو باپ پر فدا ہوں سمجھ سکتی ہیں۔

یہ لکھنا کہ ہمایوں مرزا کس طرح اپنی مدتوں کی بچھڑی ہوئی بیٹی سے ملا۔ اپنی کم لیاقتی کا ثبوت دینا ہے مگر کیا کیا جائے۔ دل تمام جسم میں بادشاہ ہے۔ ہاتھ پر اُس کا زور ہے۔ اُنگلیوں پر اس کا قبضہ ہے جس طرح چاہے کام لے۔ جو چاہے لکھوا دے

ہمایوں مرزا۔ سلیمان۔ سعید احمد خود چہ پہنچے۔ ایک توقف سے پریشان وہ سمجھ رہی تھی۔ واردات عجیب سے حیران۔ خدا خدا کر کے نواب سعید احمد کا مکان آیا۔ ہمایوں مرزا کا چہرہ خوشی اور شوق کی مجسم تصویر تھا۔ گھر نظر آتے ہی ہزار بار ایک خوبصورت با الفت خاتون اور اُسکی گود میں ایک چاند سی بیٹی کی تصویر اُس کی آنکھوں میں پھر گئی۔ وہ باعصمت خاتون ہمایوں مرزا کی بیوی تھی۔ وہ گود میں ننھی سی خوبصورت بچی جمیلہ ہمایوں مرزا کی اکلوتی بیٹی تھی۔ گاڑی سے اُترتے اُترتے ہمایوں مرزا کو اپنا مکان یاد آیا۔ اور خوشی اور اطمینان کا زمانہ۔ وہ زمانہ جب ایک ہمدرد اور ہمدم بیوی کی

رفیق اس کے پاس تھی - آہ - وہ ہمدرد - وہ آٹھ پہر کی رفیق اس کی محبت کرنے والی بیوی تھی نشست کے کمرے مین پہنچتے پہنچتے ۲۰ برس کے واقعات - آہ - بیس برس کا زمانہ - بیوی کی دائمی جدائی کا رنج بیٹی سے ہمیشہ کے لیے بچھڑنے کا قلق - ہان یہ بیس برس کی تکالیف ایک ایک ہمایون مرزا کو یاد آئی - چلتا تھا مگر کوئی قدم پکڑے لیتا تھا - بات کرنا چاہتا تھا زبان نہ اُٹھتی تھی - سعید زنان خانہ مین اطلاع کرا کر گیا - جمیلہ پردے مین ہو رہی - فاطمہ دربار ختم ہونے سے پیشتر سعید کے چلے آنے پر حیران ہوئی -

سعید اندر آیا - رقیہ اور زبیدہ نے سلام کیا - سعید نے فاطمہ کو تسلیم کی اور دعائین لین -

فاطمہ نے پوچھا -

فاطمہ "یہ تم ایسی جلدی دہلی سے کیسے پلٹ آئے"

سعید "کیا بتلاؤن عجیب واقعہ ہوا"

فاطمہ - (پریشان ہوکر) کیون - کیون خیر تو ہے - کیا بات "

سعید - (ہنسکر) "تو یہ آپ گھبرائی کیون جاتی ہین - سب خیریت ہے"

فاطمہ " توبہ - توبہ - مین تو ڈر گئی - آخر کیا عجیب بات ہوئی - کچھ کہو تو سہی"

سعید "یہ جو صاحبزادی آپ کے پاس اُس بڈھے سے آدمی کے ساتھ آئی تھین - جنھین میر ٹھ سے کیا ان کا نام جمیلہ ہے"

فاطمہ: "ہاں۔ ہاں ہے تو پھر"

سعید: "یہ تو نواب سلیمان میرٹھ والے۔ ان کے یہاں رہتی تھیں۔"

فاطمہ: "اچھا تو پھر"

سعید: "آپ نے مجھ سے کبھی ذکر نہ کیا۔ یہی کہا کہ میری ملنے والی ہیں۔"

فاطمہ: "تم سے کچا چھپا کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ تم اپنا مطلب کہو۔"

سعید: "تو ہاں۔ یہ صاحبزادی ان کے ہاں رہتی تھیں نواب سلیمان صاحب کے یہاں۔ یہ اُن کی بیٹی نہیں ہیں۔"

فاطمہ: "ہاں نہیں ہیں۔ پھر"

سعید: "پھر یہ کہ ایک صاحب حیدرآباد سے دربار میں آئے ہوئے تھے۔ حیدرآباد میں سپہ سالار ہیں وہ ......"

فاطمہ: "[illegible] سے کہاں پہنچے۔ جمیلہ کو پوچھتے یا پوچھے [illegible]"

سعید: "[illegible] بات تو ختم ہونے دیجیے۔"

فاطمہ: "[illegible] اچھا کہو۔"

سعید: "[illegible] تو ان سپہ سالار کا نام نواب ہمایوں مرزا ہے بڑے صاحب ثروت ہیں۔ ہاں تو وہ کہتے تھے کہ یہ صاحبزادی [illegible] آپ کے ہاں مہمان ہیں اُنکی اپنی بیٹی

ہے خاص۔

فاطمہ۔ سبحان اللہ۔ کیا معموں میں باتیں کرتے ہو صاف صاف کہو۔ انہیں سپہ سالار صاحب کو کیسے معلوم ہو گیا کہ جمیلہ یہاں ہیں۔

سعید۔ ہاں یہ کہنا بھول گیا۔ وہ جو نواب صاحب ہیں سپہ سالار اُن کی گھڑی کی زنجیر میں ایک تعویذ تھا سونے کا۔

فاطمہ۔ بس بس میں سمجھ گئی تعویذ جو کھوتا تھا۔ اور اُس پر لکھا ہوا تھا۔ "الہٰی جمیلہ و جمشید بحال"

مگر سلیمان صاحب کو جمیلہ کا یہاں ہونا کیسے معلوم ہوا۔

سعید۔ میں نے بتلایا۔

فاطمہ۔ کیا خوب۔ ابھی تو کہتے تھے کہ مجھے خبر تک نہ تھی کہ یہ صاحبزادی جو تمہاری یہاں ہیں جمیلہ ہیں۔

سعید۔ ہاں مجھے بالکل معلوم نہ تھا۔ مگر جب سلیمان صاحب نے نواب ہمایوں مرزا کو کل حال سنایا اور جمشید کا نام لیا۔ اور کہا کہ فاطمہ کے پاس ایک اپنی لڑکی تھی اور ایک جمیلہ اور جب زبیدہ کا بھی نام لیا تو مجھے یقین ہو گیا۔ کہ صاحبزادی ہی جمیلہ ہیں۔ جمشید جب یہاں آیا تھا اُس کا نام معلوم ہو گیا تھا مجھے۔

فاطمہ۔ خیر۔ ہاں تو وہ نواب صاحب حیدر آبادی تعویذ دیکھ کر

کہنے لگے کہ جمیلہ میری بیٹی ہے - اب مین کہان وہ - اور وہ تعویذ کس کے پاس ہے اب "

سعید " وہ اور سلیمان صاحب دونو آئے ہین باہر ہین - تعویذ سلیمان کے پاس ہے "

فاطمہ " تو وہ اسی غرض سے آئے ہین - جمیلہ سے ملنے "

سعید " جی ہان دونون "

فاطمہ " تم اُن کو سلیمان صاحب کو تو فوراً اندر بلا لو - مین ہٹ جاؤنگی جمیلہ سے اُن کو بہت محبت ہے جمیلہ اکثر تعریف کرتی ہے اُنکی - اور اُن کی منہ بولی بیٹی ہے - انھین کے یہان پرورش پائی - بچی سے جوان ہوئی - مگر دوسرے صاحب جو انکو جمیلہ کا باپ بتاتے ہین اُنسے کچھ اور پتہ پوچھنا چاہئے ممکن ہے کہ تعویذ انھین کے تعویذ جیسا ہو "

سعید " اچھا مین سلیمان صاحب کو اندر بھیجے دیتا ہون - پان وغیرہ بھجوا دیجئے آپ باہر - مین تو اب ہمایون مرزا سے باتین کرتا رہونگا "

یہ کہکر سعید باہر ہمایون مرزا کے پاس آگیا - اور سلیمان سے کہا پردہ ہے آپ اندر جائیے - ان صاحبزادی سے مل آئیے -

" اُن صاحبزادی سے مل آئیے " کی آواز سنکر ہمایون مرزا جو نہ معلوم کن کن خیالات مین مستغرق تھا چونک پڑا اور خوش ہوکر اندر جانیکا

قصد کیا۔ سعید کو اس پر سبحت ہنسی آئی مگر ضبط کی اور کہا۔

سعید:- جناب آپ تشریف رکھیے۔ سلیمان صاحب آپ جائیے اندر۔

ہمایون مرزا:- کیسے کیسے۔ کیا ہے۔ میں اب اپنی بیٹی سے ملونگا۔

سعید:- مگر پہلے یہ تو فرمائیے کہ علاوہ تعویذ کے کوئی اور بھی پہچان ہے۔

ہمایون مرزا:- اس کا کیا مطلب۔ جناب کیا میں جھوٹ بولتا ہوں کیا آپ کو یقین نہیں کہ میں حسنہ نہیں تو جمیلہ کا باپ ہوں۔

سعید:- جی ہاں یقین تو ہے مگر احتیاط عجب چیز ہے مزید احتیاط کے واسطے آپ سے دریافت کیا جاتا ہے اگر کوئی اور پہچان ہو تو فرمانے میں کیا پس و پیش ہے۔ جناب کو۔

ہمایون مرزا:- صاحب اور کیا پہچان ہو سکتی ہے۔ وہی تعویذ ہے۔ یہ کہکر ہمایون مرزا نے سعید کے چہرے کو غور سے دیکھا نگاہ اُسکے چہرے پر تھی مگر کسی گہری سوچ میں تھا۔ ہمایون مرزا سعید کو دیکھتے دیکھتے یکایک اُچھل پڑا اور کہا۔

ہمایون مرزا:- جناب ہاں ایک پہچان ہے۔ میرے ہاتھ میں جو میرے نام کی یہ انگوٹھی ہے۔ یہ ایک پرچے پر یہ مہر ہے۔ اور وہ پرچہ اس کے اندر ہے تعویذ کے دیکھ لیجئے۔

یہاں یہ گفتگو تھی اُدھر فاطمہ نے جاکر جمیلہ سے کہا۔

فاطمہ:- میری پیاری جمیلہ۔ سلیمان صاحب تم سے ملنے آئے

ہیں۔ میرے سر سے ؟

جمیلہ۔ پریشان ہو کر " کب انھیں کیونکر معلوم ہوا کہ میں یہاں ہوں۔ جمشید چچا تو قسم کھا گئے تھے کہ ہر گز ہر گز ان کو نہ بتلائیں گے "

فاطمہ: " خیر بیٹی۔ کسی طرح معلوم ہوا ہو۔ وہ یہاں آ گئے ہیں اب تو تم اُن سے ملو "

جمیلہ: " نہیں۔ میری آنکھ سامنے نہ ہو گی۔ خدا جانے کیا کیا کہتے ہونگے اپنے دل میں۔ واقعی کی میں نے احسان فراموشی۔ بغیر اُن کی اطلاع کے یہاں چلی آئی۔ کس طرح سامنے ہوں "

فاطمہ: " نہیں۔ بڑی بات۔ اس وقت تمھارا بلا اطلاع کیے آنا ضروری تھا اور اب اُن کے سامنے آنا لازمی۔ میں ہٹی جاتی ہوں کریمن۔ کریمن۔ اے وہ رحیمن دیکھو ایک صاحب اندر آئیں گے تم دیکھو باہر جا کر "

رحیمن باہر گئی سلیمان کسی سے اطلاع کرانے کے لیے دروازے پر منتظر تھا۔ رحیمن کے ساتھ اندر آیا۔

جمیلہ سامنے کھڑی تھی سلیمان نے جمیلہ کو دیکھا اور ہاتھ پھیلا کر جمیلہ کی طرف بڑھا۔ جمیلہ چپ تھی۔ آنکھ اوپر نہ ہوتی تھی۔ سلیمان نے جمیلہ کو پیار کیا۔ اور بے مروتی کی شکایت کی مگر جمیلہ خاموش سر جھکائے سنتی رہی۔ پھر سلیمان نے جمیلہ کو تعویذ دیکر کہا۔

سلیمان "لو بیٹا یہ تعویذ تمھارا ہے۔ تم جلدی میں الماری میں بھول
آئی تھیں۔ اور ہاں تمکو یہ بھی معلوم ہے کہ یہ کیسا تعویذ ہے۔
اماں جان نے تم سے بیان تو کیا ہوگا۔ نا"

جمیلہ نے دبی زبان سے "جی ہاں۔ مجھے معلوم ہے۔ اماں جان تو
اچھی ہیں اور زہرہ اور حمیدہ بہن تو خیریت سے ہیں"۔
آپ کو میرا یہاں ہونا کیسے معلوم ہوا"

سلیمان نے "یہ اس تعویذ کا اثر ہے۔ یہ بچھڑے ہوؤں کو ملاتا ہے"۔

جمیلہ۔ ٹھنڈی سانس لیکر "جی ہاں دیکھیئے"

سلیمان نے جمیلہ سے تھوڑی دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کیں۔
ہمایوں مرزا کی بابت ایک لفظ نہ کہا۔ کیونکہ سعید اور سلیمان میں طے
ہوچکا تھا۔ کہ جمیلہ کو اپنے باپ کے آنے کا حال اچانک نہ معلوم ہو
اور یہی وجہ تھی کہ فاطمہ نے بھی جمیلہ سے ہمایوں مرزا کی بابت کچھ نہ کہا
پیار کرکے سلیمان باہر چلا آیا۔ سعید نے سلیمان سے تعویذ طلب کیا۔
سلیمان تعویذ جمیلہ کو دینے آیا تھا۔ اندر سے منگایا گیا۔ اور کھولکر دیکھنے
سے ہمایوں مرزا کے بیان کی تصدیق ہوئی۔ دوپہر تک سلیمان اور سعید نے
ہمایوں مرزا کو باتوں میں لگائے رکھا۔ ادھر اندر فاطمہ نے نہایت
عقلمندی سے جمیلہ پر ہمایوں مرزا کا آنا ظاہر کیا۔ بعد دوپہر باپ بیٹی
کا آمنا سامنا ہوا۔ گو جمیلہ نے باپ کو کبھی نہ دیکھا تھا مگر خدا جانے وہ کونسی
تحریک تھی جس نے جمیلہ کو ڈھکیل کر باپ سے لپٹا دیا۔ ہمایوں مرزا اسنے

صرف اتنا کہا

"میری بچھڑی بیٹی"

اور

جمیلہ کو زور سے کلیجہ سے چپٹا لیا - اور بس کچھ نہ بولا - نہ زبان مین گویائی تھی نہ آنکھ مین آنسو - جمیلہ باپ سے لپٹی ہوئی تھی - اور آنسو جاری تھے -

جدائی کے بعد ملنا اور رونا تعجب کی بات نہین - یہی آنسو داغ مفارقت دل سے دھو سکتے ہین -

جمیلہ کو اسوقت دنیا اور مافیہا کی خبر نہ تھی - ہمایون مرزا بُت کی طرح کھڑا تھا - بے حس و حرکت اس کی آنکھون کے سامنے خوشی کا باغ تھا - اس لیے اُس کی نگاہ جمیلہ پر نہ تھی - بلکہ خدا پر

وہ

جامع المتفرقین پر

ہمایون مرزا

نہ

اسکو رنج مین بھولا

اور

نہ

خوشی مین

باب سیزدہم

جمیلہ کا اصلی نام حُسنہ تھا۔ مگر ہمایون مرزا نے فاطمہ کے رکھے ہوئے نام کو قایم رکھا۔ اور ہمیشہ خود بھی حُسنہ کو جمیلہ ہی کہا۔ سلیمان نے میرٹھ جانے کی اجازت طلب کی تو ہمایون مرزا نے کہا۔

ہمایون مرزا۔ "اگر آپ میرٹھ جاتے ہین تو اپنی بیٹی جمیلہ کو بھی ساتھ لیے جائیے۔ جبتک اس کی شادی بیاہ نہ ہو وہ آپ ہی کے یہان رہ سکتی ہے"

سلیمان۔ "مجھے جمیلہ کو واپس لیجانے مین کچھ عذر نہ ہوتا مگر آپ چونکہ اس کے حقیقی سرپرست ہین اس لیے آپ ہی کے پاس رہنا ضروری ہے۔ بہتر ہو کہ آپ حیدر آباد اپنے ساتھ لیجائین۔

ہمایون مرزا۔ "نہین مین کبھی نہ مانون گا اصلی سرپرست آپ ہین آپنے اسکو بیٹی کی طرح رکھا وہ آپ ہی کی بیٹی رہے گی۔ حیدر آباد کا جانا وہ عبث ہے مین اب ملازمت ترک کر دونگا۔ مراد نگر جاکر رہنا فضول ہے اس لیے جہان جمیلہ کی شادی ہو گی

وہیں میں بھی رہونگا - بیس برس سے اُس کی صورت کا مشتاق تھا - حیدرآباد میں اسی وجہ سے پڑا تھا کہ یہاں کوئی نہ تھا جسکو آکر دیکھتا - بیوی کی موت کی خبر مجھکو غدر کے بعد ہی معلوم ہو گئی تھی اور یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ خستہ تو یہ جمیلہ باغیوں کے ہاتھ سے بچ گئی مگر باوجود تلاش کے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ کہاں ہے خدا نے بیس برس کے بعد مجھکو بیٹی جمیلہ سے ملایا ہے اب اس سے جدا نہ ہونگا - اب وہ جوان ہے اس کی شادی بیاہ کی فکر ہے - مگر مقدم فکر آپ کی ہے - میں صرف تماشائی کی حیثیت سے بیاہ میں شریک ہونگا - وہ آپ کی بیٹی ہے جہاں چاہیں اور جس طرح چاہیں آپ جمیلہ کو بیاہ دیں - مگر اتنا ضرور کہونگا کہ اس کا رخیر میں جسقدر جلدی ممکن ہو کی جاے "۔

سلیمان - (متاثر ہو کر) میں آپ کی ذرہ نوازی کا مشکور ہوں جمیلہ سے مجھکو بیشک مثل بیٹیوں کے محبت ہے اور اگر آپ کی بھی صلاح ہو کہ اُس کی شادی بیاہ کا فیصلہ میرے ہاتھ میں رہے تو میں چند وجوہات سے نواب سعید سے بہتر کسی کو نہیں پاتا - میں نے دہلی میں آپ کو قصہ سنایا تھا - فاطمہ کا نام بھی لیا تھا - اُس عورت

کا جس نے جمیلہ کو ہمارے پاس تک پہنچایا نواب سعید احمد فاطمہ کے بھائی ہیں۔ فاطمہ کے احسان سے آپ صرف اسی طرح سبکدوش ہو سکتے ہیں۔ علاوہ اسکے فاطمہ کو جمیلہ سے دلی محبت ہے۔ سعید احمد کی والدہ حیات نہیں۔ گھر میں فاطمہ ہی سب سیاہ سفید کی مالک ہے۔ میں نے اس بارہ میں فاطمہ سے دریافت کیا تھا۔ ان کی دلی منشا ہے۔ نواب سعید احمد سے اس عرصہ کے قیام میں جناب خود بخود واقف ہو گئے ہیں۔ بُرے بھلے جیسے کچھ ہیں آپ پر روشن ہے۔ ہاں اتنا کہے بغیر میں نہیں رہ سکتا کہ بلحاظ خاندانی شرافت کے اُنسے بہتر ہونا مشکل ہے۔ خالص سید ہیں۔ نواب سعید احمد کے دادا عرب سے ہندوستان آئے تھے۔ مولوی محمد عبدالرحیم مولوی عبدالغنی صاحب کے بھائی اس نواح میں مشہور معروف آدمی گذرے ہیں۔ میرٹھ میں بھی اُن کے مریدوں کی معقول تعداد ہے۔ مجھکو بھی ان کی خدمت میں نیاز حاصل ہوا تھا۔ بڑے بزرگ آدمی تھے۔ غدر سے دو برس پیشتر انتقال ہوا تھا۔"

ہمایون مرزا: بہتر۔ جیسی آپ کی رائے ہو۔ مجھے کسی بات سے قبول کرنے میں عذر نہیں۔ جمیلہ کا خیرخواہ آپ سے

زیادہ کوئی نہین - رہا سعید احمد صاحب کا چال چلن اُسکی
بابت مجھے چھان بین کا کوئی حق نہین - اگر آپ کو اطمینان
ہو - تو بسم اللہ دیر نہ کیجیئے "

سلیمان "نواب سعید احمد ایک کامل درویش کے بیٹے ہین -
گو اب نواب ہین مگر نوابون کی برائیون سے پاک صاف
ہین - گو عربی کے منتہی نہین مگر مولوی عبد الغنی صاحب مرحوم
اپنے چچا سے شرح ملا تک پڑھا ہے - مولوی عبد الغنی صاحب
تو بے تکلف عربی بولتے تھے - مولوی عبد الرحیم صاحب
کو مین نے خود عربی بولتے سنا ہے - نو وارد عرب نے
اور اُن کے لب ولہجہ مین مطلق تمیز نہ ہوتی تھی - سعید احمد
صاحب تعلیم نسوان کے حامی ہین - اور اُن کا
خیال ہے کہ مسلمان اب ہندوستان مین صرف
انگریزی پڑھکر ہی ترقی کر سکتے ہین - سید احمد خان
دہلوی سے اُن کی بڑی ملاقات ہے - سنا ہے
وہ ایک کالج عنقریب قایم کرنے والے ہین
علیگڈہ مین - نواب سعید احمد کا قصد ہے
کہ اُس کالج کے لیے کچھ حصہ اپنی جائداد
کا علیحدہ کر دین - اس سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ
نواب صاحب مسلمانون کی تعلیم سے خاص دلچسپی

رکھتے ہین - اور قومی ہمدردی ہے -
یہان اس عرصہ کے قیام مین مجھکو عمائدین شہر سے ملنے کا اتفاق
ہوا سب نواب صاحب کی تعریف مین رطب اللسان ہین -
ان کی سنجیدگی - خوش اخلاقی نیک مزاجی کے سب
مداح ہین - جائداد جو غدر مین نواب کے خطاب
کے ساتھ سرکار انگریزی نے دی ۸۰ ہزار روپیہ سالانہ
سے کم نہین - گو مین جانتا ہون کہ آپ کو دولت کی ایسی پرواہ
نہین بلکہ شرافت اور نیک چلنی کی ہے مگر دولت کے
ساتھ اگر یہ دونون خوبیان بھی ہون تو اس سے بہتر
کیا ہو سکتا ہے "

ہمایون مرزا - تو بہتر ہے - مین خوش میرا خدا خوش - آپ
بسم اللہ کر کے اس کار خیر کو شروع کیجیے - خدا
انجام بخیر کرے -

میرا دہلی واپس جانا ضروری ہے تاکہ اطمینان سے
اپنی خدمات سے سبکدوش ہو کر واپس چلا آؤن -
علاوہ اس کے حضور سے بھی اطلاع کرنا ضروری ہے
مین ۴ بجے کی گاڑی سے دہلی چلا جاؤنگا - اور یا تو کل
ورنہ پرسون دوپہر تک واپس آجاؤنگا -
زیادہ رسوم و عادات کی چونکہ تقریب ہے ایسی ضرورت نہین

اس لیے دس میں جوڑے دہلی سے آجائینگے - رہا جہیز کا دوسرا سامان یہ ایک رسم ہے - جتنا جس سے بن پڑے دے - میری کل حیدرآباد کی بیس سال کی کمائی اور منصب سب جمیلا آپکی بیٹی کے لیے ہے - مجھکو اور کسی کا کام کاج کرنا تو ہے نہیں - باقی زندگی کے دن میں خود یہاں ہی بسر کردونگا - مگر یہاں چلنے سے پہلے مجھکو معلوم ہو جانا چاہیے کہ سعید احمد صاحب کی بھی منشا ہے - آپ فاطمہ صاحبہ کی معرفت دریافت کرا لیجیے ۔

سلیمان حضرت آپ اس طرف سے مطمئن رہیے - نواب سعید احمد فاطمہ صاحبہ کو بجائے ماں کے سمجھتے ہیں انکی رائے کے خلاف کبھی نہ کرینگے اور فاطمہ صاحبہ کی بھی تمنا ہے جیسا میں نے آپ سے ابھی عرض کیا تھا آپ بسم اللہ کرکے دہلی تشریف لیجائیے میں اس کارخیر سے فارغ ہوے بغیر میرٹھ کا قصد نہ کرونگا ۔

سعید کے اچانک کمرے میں آجانے سے گفتگو کا سلسلہ یہیں ختم ہو گیا ہمایوں مرزا ۳ بجے کی گاڑی سے دہلی روانہ ہو گئے ۔

سلیمان نے فاطمہ کو خوشخبری سنائی کہ ہمایوں مرزا نے سعید کو فرزندی میں قبول کر لیا ہے - فاطمہ کی خوشی کی کوئی حد نہ تھی - رات کو سعید کو اپنے کمرے میں بلا کر فاطمہ نے اپنا ارادہ بیان کیا - سعید نے شرم سے سر جھکا لیا - بڑی دیر کے بعد کہا کہ "جو آپ کی رائے"

ہمایوں مرزا صاحب وعدہ کے مطابق دوسرے روز شام ہی کو خوشی خوشی دہلی سے واپس آگئے

اپنی خدمات سے سبکدوش ہو آئے تھے۔ حضور پر نور اپنے دکن سے اپنی
بیٹی کے گم ہونیکا پیشتر ذکر کر ہی چکے تھے۔ اس مرتبہ جو آخری سلام کو گئے تو بیٹی
کے ملجانے کا قصہ بیان کیا۔ اور شادی کی بابت بھی کہا حضور پر نور ہمایوں مرزا
کی بیان شادی اور جن خدمات سے بخوبی واقف تھے۔ تقریب کیلیے مبلغ پچیس ہزار
روپیہ نقد اور ایک قیمتی جڑاؤ کنگن دلہن کے لیے مرحمت ہوئے۔ روپیہ اور
کنگن ہمایوں مرزا نے لاکر سلیمان کے حوالے کیے۔ سلیمان نے کچھ جوڑے
لکھنؤ سے تیار کرائے اور کچھ دہلی اور اسی مہینہ کے اندر اندر جمیلہ کو نفیس
دلھن کا خطاب سسرال سے مل گیا۔

سلیمان نے نکاح کے بعد ایک روز رہکر میرٹھ کے لیے تیاری کی چلتے وقت
جمیلہ کو بہت بہت پیار کر کے کہا۔

سلیمان: بیٹی جمیلہ خدا تمکو ہمیشہ خوش رکھے۔ تم کسی طرح نہ گھبرانا تمہارے
ابا جان تمہارے پاس ہی رہیں گے اور میں بھی تم سے کچھ دور نہیں ہوں
اچھا لو خدا حافظ و ناصر۔

میرٹھ پہنچکر سلیمان نے بلقیس کو جمیلہ کے عقد ہو جانے کی خوشخبری سنائی
تو بلقیس نے حیران ہو کر کہا۔

بلقیس: "تمہیں جمیلہ کہاں ملی۔ اور اسکی شادی کہاں کر آئے؟"

سلیمان نے مفصل حال جمیلہ کے ملنے اور شادی ہو جانے کا کہہ سنایا۔

بلقیس کو اطمینان ہوا اور خوش ہوئی اور کہا۔ میری خوشی تو یہی تھی
کہ جسطرح میں نے جمیلہ کو لاڈ پیار سے پالا اسی طرح میں ہی اسکی

شادی بیاہ کا کاروبار کرتی اور دلھن بنا کے اپنے گھر سے رخصت کرتی مگر خیر اب تو ہو گیا۔ اب یہ دعا ہے کہ خدا اُسے اُس گھر میں ہمیشہ خوش رکھے

زہرہ اور حمیدہ وہین موجود تھین۔ حمیدہ نے کل حال سنا اور گردن جھکا کر اور منہ سکوڑ لیا اور دلمین کہا۔

"دادی اماں سچ کہا کرتی تھین کہ محسود کو حاسد کچھ نقصان نہین پہنچا سکتا۔ مین نے جمیلہ سے لاکھ بُرائی کی مگر اُس کا کچھ نہ بگڑا"

زہرہ جمیلہ کی شادی کا حال سنکر باغ باغ ہو گئی اور کہا:۔

"ابا جان بڑی آپا کیسی اچھی دُلھن
بنی ہونگی آپ نے مجھے نہ بلایا
مین بھی دیکھتی"